PK 2199 S5M3

Shiblī Nu'mānī, Muḥammad
Majmū'ah-i naẓm-i Shiblī

PLEASE DO NOT REMOVE
CARDS OR SLIPS FROM THIS POCKET

UNIVERSITY OF TORONTO LIBRARY

Shibli Numani, Muhammad
Majmuah-i nazm-i Shibli

بمنّہٖ وکرمہٖ

مجموعہ نظم شبلی اردو

مع

سوانح عمری

جسمیں

حضرت مولانا مرحوم کی تمام اردو نظمیں لکھی گئی ہیں ہر ایک
نظم کمال شاعری کا گنجینہ اور تاریخی واقعات کا آئینہ ہے انکے
علاوہ مرحوم کی زندگی کے حالات مولانا عبد الحلیم
صاحب شرر لکھنوی کے قلم سے اس میں اضافہ کئے گئے ہیں

مرتبہ

سید ظہور الحسن صاحب موسوی تاجر کتب قومی پریس دہلی چھتہ لال میاں

اعلیٰ پریس دہلی میں چھپواکر شائع کی

LIBRARY
MAY 11 1967
UNIVERSITY OF TORONTO

مختصر فہرست کتب قومی پریس دہلی چھتہ لال میاں

نام کتاب	قیمت
سفرنامہ روم و مصر و شام مصنفہ مولانا شبلی نعمانی جس میں علاوہ ان جزئی دلچسپ واقعات کے جو سلسلۂ بیان میں آگئے ہیں۔ قسطنطنیہ بیروت بیت المقدس قاہرہ وغیرہ کے واقعات فی یل یعنی شہر کی عام اجمالی حالت قابل دید مقامات مشہور عمارات سررشتۂ تعلیم دار العلوم اور مدارس بورڈنگ اور طلبا کی ترکیب تعلیم نسوان مصنفین اور تصنیفات کتب خانے اخبارات اور رسالے مشہور پاشاؤں اور ارباب کمال کی ملاقات ترکوں اور عربوں کے اخلاق و عادات کو تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔	عہ
المامون مصنفہ مولانا شبلی نعمانی یعنی نامور فرماں روایان اسلام کا پہلا اور دوسرا حصہ اس کتاب کے دو حصے میں پہلے حصہ میں تمہید ترتیب خلافت مامون رشید کی ولادت تعلیم و تربیت ولی عہدی تخت نشینی خانہ جنگیاں فتوحات ملکی اور وفات کے حالات ہیں دوسرے حصہ میں اُن	

نام کتاب	قیمت
مراتب کی تفصیل ہے جن سے اس عہد کے ملکی حالات اور مامون رشید کے تمام اخلاق و عادات کا اندازہ ہو سکتا ہے نیز ان تمام کارناموں کی تفصیل ہے جن کی وجہ سے مامون رشید کا عہد عموماً شاہان اسلام کے عہد سے علمی حیثیت میں ممتاز تسلیم کیا گیا ہے۔	عہ
اورنگزیب عالمگیر شمس العلما مولانا شبلی نعمانی کی یہ بالکل جدید تالیف ہے تاریخ اور واقعات کی تحقیق و تنقید میں مولانا کا پایہ اظہر من الشمس ہے شہنشاہ عالمگیر پر جو الزامات وارد ہوئے ہیں بھائیوں کا قتل باپ کی گرفتاری پر تعصب مذہبی ہندوؤں کے ساتھ مخاصمت بت شکنی وغیرہ کے متعلق جو الزامات بیان کئے جاتے ہیں اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ ان اعتراضات کو واقعات سے کوئی تعلق نہیں یہ باتیں پست نظر اور تنگ خیال فسانہ نویسوں کی پیدا کی ہوئی ہیں مولانا نے خود اس عہد کی مستند تاریخوں سے تمام واقعات کی تحقیق کی ہے اور اہل یورپ کی غلط فہمیوں پر روایت کی نظر ڈالی ہے۔	ار

تماشائے عبرت

یعنے وہ

قومی مسدس

جسکو علامہ شبلی نے قومی تھیٹر علیگڈھ میں اپنے پر درد و پُرسوز لہجہ میں پڑھا تھا

آج کی رات یہ کیوں جمع ہیں احباب بہم — بھیڑ کیا ہے نظر آتا ہے یہ کیسا عالم
نوجوانان ہنرپرور وارباب ہمم — جوق کے جوق چلے آتے ہیں کیسے پیہم
کچھ سمجھ میں نہیں آتا جو سب سمجھے ہیں
شاید اس بزم کو یہ بزم طرب سمجھے ہیں

ہے گمان ان کو کہ آیا ہے تھیٹر کوئی — یا کہ اس سے بھی تماشا ہے یہ بڑھ کر کوئی
اس سبھا میں بھی نظر آئے گا اندر کوئی — مسخرا بن کے بھی آئے گا مقرر کوئی
نقل وہ ہوگی کہ دیکھی نہ سنی ہوگی کبھی
سیر وہ آج کریں گے کہ نہ کی ہوگی کبھی

کوئی کہتا ہے تھیٹر تو نہیں ہے لیکن — ساز و نغمہ بھی نہ ہو ساتھ نہیں ہے ممکن
راتیں کاٹی ہیں اسی شوق میں تارے گن گن — دیکھیں کیا سیر دکھائیں یہ بزرگان مُسن
کچھ نہ کچھ تازہ کرامات تو ہوگی آخر
بوڑھے غمزدوں میں کوئی بات تو ہوگی آخر

دوستو کیا تمہیں سچ مچ تھا تھیٹر کا یقین — کیا یہ سمجھے تھے کہ پردہ کوئی ہوگا رنگین
نظر آئے گی جو سوتی ہوئی اک زہرہ جبین — آئے گا بھول کے لینے کو ارم کا گلچین

قوم کی بزم کو یوں کھیل تماشا سمجھے
ہائے گر آپ یہ سمجھے بھی تو بیجا سمجھے

ہائے افسوس کہ ہو قوم تو یوں خستہ و زار   مرض الموت میں جس طرح سے ہے کوئی بیمار
نہ معالج ہو کوئی پاس نہ سر پر غمخوار   نظر آتے ہوں دم نزع کے سارے آثار

واں تو یہ حال کہ مرنے بھی کچھ دیر نہیں
آپ ادھر سیر تماشے سے ابھی سیر نہیں

نوحۂ غم ہے یہاں نغمۂ عشرت کیسا   ہے یہ عبرت کا سماں جوش مسرت کیسا
ہے جنوں خیز یہ ہنگامۂ عبرت کیسا   قوم کا حال ہے غفلت کی بدولت کیسا

ہے عجب سیر اگر دیدۂ بینا دیکھے
دیکھنا ہو جسے عبرت کا تماشا دیکھے

ہائے کیا سین ہے یہ بھی کہ گروہ شرفا   صاحب افسر و اورنگ تھے جنکے آبا
قوم کے عقدۂ مشکل کے ہیں جو عقدہ کشا   ایکٹر بن کے وہ اسٹیج پہ ہیں جلوہ نما

قوم کے خواب پریشاں کی یہ تعبیریں ہیں
ایکٹر یہ نہیں عبرت کی یہ تصویریں ہیں

بانی مدرسہ وہ سید والا گوہر   وہ مینیجنگ کمیٹی کے معزز ممبر
شبلی غمزدہ وہ شاعر اعجاز اثر   اور یہ نوبادۂ اقبال کے سب برگ و ثمر

نہ تکلف کے کچھ انداز نہ کچھ جاہ کی شان
بزم میں آئے ہیں اس حال سے اللہ کی شان

اپنے رتبوں کا نہ کچھ دھیان نہ کچھ وضع کا پاس   دوستوں سے نہ جھجک اور نہ دشمن سے ہراس
گرچہ سب کہتے ہیں حاصل نہیں کچھ بھی جز یاس   ہائے کیا دھن ہے کہ پھر بھی تو نہیں ٹوٹتی آس

غرض مطلب کی ہے تصویر سراپا ان کا
ہاتھ خود کاسۂ دریوزہ ہے گویا ان کا

ان کا ہر لفظ ہے اک مرثیۂ جاں فرسا   قوم کی شان دکھا دیتی ہے ایک ایک ادا

دیکھ اے قوم جو اب تک نہ تھا تو نے دیکھا — اپنے بگڑے ہوئے انداز کا پورا خاکا

گرچہ تدبیر بھی ہم سے نہیں کچھ کی جاتی
ہائے حالت بھی تو تیری نہیں دیکھی جاتی

یوں بھلانے کو تو ہم دل سے بھلاتے ہیں مگر — یاد آجاتے ہیں پھر بھی ترے اگلے جوہر
وہ بھی اک دن تھا کہ جس سمت سے ہوتا تھا گذر — ساتھ چلتے تھے جلو میں ترے اقبال و ظفر

تو کبھی روم میں قیصر کو مٹا کر آئی
کبھی یورپ میں نئے فتنے اٹھا کر آئی

تھے نقیبوں میں ترے دولت و اقبال و حشم — ترے حملوں سے دہل جاتا تھا سارا عالم
ایشیا کا جو کیا تو نے مرقع برہم — جا کے یورپ کے افق پر بھی اڑایا پرچم

کر دیا دفتر تاتار کو ابتر تو نے
نیزہ گاڑا تھا جگر گاہ تتر پر تو نے

کون تھا جس نے فارس و یوناں تاراج — کس کی آمد میں فدا کر دیا جیپال نے راج
کس کو کسریٰ نے دیا تخت و زر و افسر و تاج — کس کے دربار میں تاتار سے آتا تھا خراج

تجھ پہ اے قوم اثر کرتا ہے افسوں جن کا
یہ وہی ہیں کہ رگوں میں ہے ترے خوں جن کا

ہم نے مانا بھی کہ دل سے بھلا دیں قصے — یہ سمجھ لیں کہ ہم ایسے ہی تھے اب ہیں جیسے
یہ بھی منظور ہے ہم کو کہ ہمارے بچے — دیکھنے پائیں نہ تاریخ عرب کے صفحے

کبھی بھولے بھی سلف کو نہ کریں یاد اگر
یادگاروں کو زمانے سے مٹا دیں کیونکر

مرقد شیراز و صفاہان کے وہ زیبا منظر — بیت حمرا کے وہ ایوان وہ دیوار وہ در
مصر و غرناطہ و بغداد کا ایک ایک پتھر — اور وہ دہلی مرحوم کے بوسیدہ کھنڈر

ان کے ذروں میں چمکتے ہیں وہ جوہر اب تک
داستانیں انہیں سب یاد ہیں ازبر اب تک

ان سے سن کے کوئی افسانۂ یارانِ وطن
یہ دکھا دیتی ہیں آنکھوں کو وہی خواب کہن
تیرے ہی نام کا اے یہ گاتے ہیں بھجن
تیرے ہی نغمۂ پُر درد کے ہیں یہ ارگن

پوچھتا ہے جو کوئی ان سے نشانی تیری
یہ سنا دیتے ہیں سب رام کہانی تیری

اظہار و قبول حق

وارثِ عدلِ پیمبر عمر ابن الخطاب
ہیچ تھی جن کے لیے منزلت تاج و سریر
مجمع عام میں لوگوں سے انہوں نے یہ کہا
مہر باندھو نہ زیادہ کہ ہے یہ بھی تبذیر
جس قدر تم کو ہو مقدور وہیں تک باندھو
حکم یہ عام ہے سب کو امرا ہوں کہ فقیر
ایک بڑھیا نے وہیں ٹوک کے فوراً یہ کہا
تجھکو کیا حق ہے جو کرتا ہے ایسی تقریر
صاف قرآن میں قنطار کا لفظ آیا ہے
تجھکو کیا حق ہے کہ اس لفظ کی کر دے تغییر
لاکھ تک بھی ہو تو کہہ سکتے ہیں اس کو قنطار
تھا یہ اک وزن کہ اس وزن کی یہ ہے تعبیر

سرنگوں ہو کے کہا حضرت فاروقؓ نے آہ
میں نہ تھا اس سے جو واقف تو یہ میری تقصیر

جزر و مد

الہلال کا لب و لہجہ

دیکھ کر حریتِ فکر کا یہ دورِ جدید
سوچتا ہوں کہ یہ آئین خرد ہے کہ نہیں
رہنماؤں کی یہ تحقیر یہ انداز کلام
اس میں کچھ شائبہ رشک و حسد ہے کہ نہیں
اعتراضات کا انبار جو آتا ہے نظر
اس میں کچھ قابل تسلیم و سند ہے کہ نہیں
نکتہ چینی کا یہ انداز یہ آئینِ سخن
بزم تہذیب میں مستوجب رد ہے کہ نہیں
جس نئی راہ میں ہیں بادیہ پیما یہ لوگ
گو اس جادۂ مشکل کا بلد ہے کہ نہیں

شاعروں نے جو نئی آج بچھائی ہے بساط
اسمیں ان پر بھی کہیں سے کوئی زد ہو کہ نہیں

پہلے گر شانِ غلامی بھی تو اب خیرہ سری
اس زور اہے میں کوئی پیچ کی حد ہو کہ نہیں

فیصلہ کرنے سے پہلے میں ذرا دیکھ تو لوں
"جزر" جیسا تھا اسی زور کا "مد" ہو کہ نہیں

مسلم لیگ

لیگ کے عظمت و جبروت سے انکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے

ہے گورنمنٹ کی بھی اس پہ عنایت کی نگاہ
نظر لطف رئیسانِ خوش انجام بھی ہے

کون ہے جو نہیں اس حلقہ قومی کا اسیر
اسمیں زہاد بھی ہیں رندِ مے آشام بھی ہے

فیض ہے اس کا باندازہ طالب یعنی
بادۂ صاف بھی ہے دُردِ تہ جام بھی ہے

کعبۂ قوم جو کہتے ہیں بجا کہتے ہیں
مرجع خاص ہے یہ قبلہ گہ عام بھی ہے

پختہ کاروں کے لئے آلۂ تسخیر ہے یہ
نوجوانوں کو صلائے طمع خام بھی ہے

رہنمایانِ نوآموز کا ہے مکتب و درس
زینہ فخر و نمائش گرمی عام بھی ہے

جن مہمات میں درکار ہے اشیا النفوس
ان میں طرزِ عمل بوسہ و پیغام بھی ہے

صدمہ مشہد و تبریز سے آنکھیں ہیں پرآب
دل میں غمخواری ترکانِ نکو نام بھی ہے

مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں
محسن قوم بھی ہے خادم حکام بھی ہے

ربط ہے اسکو گورنمنٹ سے بھی ملک سے بھی
جسطرح "صرف" میں اک قاعدہ ادغام بھی ہے

اسکے آفس میں بھی ہر طرح کا سامان ہے درست
ورق سادہ بھی ہے کلکِ خوش اندام بھی ہے

ہیں قرینے سے سجائی ہوئی میزیں ہر سو
جابجا دفتر پارینۂ احکام بھی ہے

چند بی۔ اے ہیں سند یافتہ علم و عمل
کچھ اسسٹنٹ ہیں کچھ حلقہ خدام بھی ہے

ہو جو تعطیل میں تفریح سیاحت مقصود
سفرِ درجۂ اول کے لئے دام بھی ہے"

یہ تو سب کچھ ہے مگر ایک گزارش ہے حضور
گرچہ یہ سوء ادب بھی ہے اور ابرام بھی ہے

مجھ سے آہستہ مرے کان میں ارشاد ہو یہ
"سال بھر حضرت والا کو کوئی کام بھی ہے"

خطاب

بہ رائٹ آنریبل سید امیر علی صاحب

اغماض چلتے وقت مروت سے دور تھا
اس وقت پاس آپ کا ہونا ضرور تھا

ہر چند لیگ کا نفس واپسیں ہے اب
اس دور روزہ پہ جس کو غرور تھا

وہ دن گئے کہ بتکدہ کو کہتے تھے حرم
وہ دن گئے کہ خاک کو دعوئے نور تھا

وہ دن گئے کہ شان غلامی کے ساتھ بھی
ہر بوالہوس خمار سیاست میں چور تھا

وہ دن گئے کہ "شارع اول" کا حرف حرف
ہم پایۂ کلام سخن گوئے طور تھا

وہ دن گئے کہ فتنۂ آخر زماں کے بعد
گویا کہ اب امام زماں کا ظہور تھا

اب معترف ہیں دیدہ دران قدیم بھی
اس نقش سیمیا میں نظر کا قصور تھا

اس دست مرتعش نہ تھی قوت عمل
اک کاسہ تہی یہ سر پر غرور تھا

یہ لمعۂ سراب نہ تھا چشمہ بقا
یہ تیرگی تھی جس کو سمجھتے تھے نور تھا

آئین بندگی میں تملق کی شان تھی
اخلاص و صدق شائبۂ مکر و زور تھا

ان کی دکان کی وہ ہوا اب اکھڑ چلی
جن کے گھروں میں جنس وفا کا وفور تھا

اب یہ کھلا کہ واقف سر تھا اسی قدر
جو جس قدر مقام تقرب سے دور تھا

ہر دم برادران وطن کی برائیاں
ظاہر ہوا کہ فتنۂ ارباب زور تھا

سب مٹ گیا سیاست سی سالہ کا طلسم
اک ٹھیس سی لگی تھی کہ شیشہ ہی چور تھا

لے دے کے رہ گیا تھا سہارا یہی آپکا — یہ جسم مردہ منتظر نفخ صور تھا
امید تھی کہ اب کی بدل جائینگے اصول — مٹ جائیگا نظام میں جو کچھ فتور تھا
ہو گی کچھ اب نظام حکومت پہ گفتگو — جس دن کا منتظر کہ ہر اک بہ شعور تھا
دیں گے برادرانِ وطن کو پیام صلح — آویزش عبث ہے ہر اک دل نفور تھا
یہ کیا ہوا کہ آپ نے بھی بیرخی سی کی — کیا آپ کو بھی راز نہاں پر عبور تھا
یا یہ سبب ہوا کہ پراگندہ تھا مزاج — از بسکہ "آستانہ" میں شور نشور تھا

ممکن ہے اور بھی ہوں کچھ اسباب ناگزیر
یہ سب سہی پہ آپ کو آنا ضرور تھا

مسلم لیگ

لوگ کہتے ہیں کہ آمادۂ اصلاح ہے لیگ — یہ اگر سچ ہے تو ہم کو بھی کوئی جنگ نہیں
سینۂ راز سے کچھ کچھ یہ بھنک آتی ہے — کہ ہم آہنگی احباب سے اب ننگ نہیں
فرق اتنا تو بظاہر نظر آتا ہے ضرور — اب خوشامد کا ہر اک بات میں وہ رنگ نہیں
عرضِ مطلب میں زباں کچھ تو ہے کھلتی جاتی — گرچہ ابتک بھی حریفوں سے ہم آہنگ نہیں
وہ بھی اب نقدِ حکومت کو پرکھتے ہیں ضرور — جن کو ابتک بھی تمیز گہر و سنگ نہیں
قوم میں پھونکتے رہتے ہیں جو افسونِ وفا — ان کی افسانہ طرازی کا بھی وہ ڈھنگ نہیں
وہ بھی کہتے ہیں کہ اس جنسِ وفا کی قیمت — جس قدر ملتی ہے ذرہ کی بھی ہم آہنگ نہیں
آ گئے تھے حلقۂ تقلید میں جو لوگ اسیر — سست رفتار تو اب بھی ہیں مگر لنگ نہیں

آپ لبرل جو نہیں ہیں تو بلا سے نہ سہی — یاں کسی کو طلب افسر و اورنگ نہیں
کام کرنے کے بہت سے ہیں جو کرنا چاہتے — اب بھی یہ دائرۂ سعی و عمل تنگ نہیں
سال میں یہ جو تماشا سا ہوا کرتا ہے — کام کرنے کے یہ انداز نہیں ڈھنگ نہیں

کچھ تو نظم و نسق ملک میں بھی دیجئے دخل
کچھ نہ کچھ نظم حکومت میں ہے اصلاح ضرور

شیوۂ حق طلبی ہے یہ کوئی جنگ نہیں
ہم نہ مانیں گے کہ اس آئینہ میں زنگ نہیں

کم سے کم حاکم اضلاع تو ہوں اہل وطن
کیا ہزاروں میں کوئی صاحب فرہنگ نہیں

صلح کانفرنس کی شکست اور جنگ کا آغاز

سوٹ ایبل سلف گورنمنٹ

دیکھا جو لیگ نے کہ ہوا خاتمہ تمام
کہنے لگے ہیں سب کہ ریاست کا یہ نظام
تقسیم مشرقی نے عیاں کر دیا ہے سب
مجبور ہو کے لیگ نے اُلٹا ہے یہ ورق
چہرہ پہ ہے جو سلف گورنمنٹ کا نقاب
سمجھے نہ یہ کہ "سوٹ بل" کی جو شرط ہے
سمجھے نہ لوگ یہ کہ یہی لفظ پر فریب
سب یہ سمجھ رہے ہیں کہ اب لیگ و کانگریس

از بسکہ دست حق طلبی اب دراز ہے
مقبول خاص و عام نہیں خانہ ساز ہے
جو شاہ راہ حق میں نشیب و فراز ہے
جو سر بسر مرقع نیرنگ ساز ہے
ہر دیدہ ور اسیر طلسم مجاز ہے
تمہید سجدہ ہائے جبین نیاز ہے
اس ملک میں طلسم غلامی کا راز ہے
دونوں کا ایک عرصہ کہ ترک و تاز ہے

جب تک کہ لوگ حلقہ بگوش خواص ہیں
جب تک ہیں لوگ عالم بالا سے مستفیض
"احرار" سے کہو کہ نہیں کچھ امید "صلح"

جب تک زبان قوم خوشامد طراز ہے
جب تک بہم یہ دور "قدح ہائے راز" ہے
ٹلتا نہیں جو تفرقہ و امتیاز ہے

آزادی خیال یہ تم کو ہے گر غرور
تو بینگ کو بھی شان غلامی پہ ناز ہے

مسلم لیگ

لیگ کو جب نظر آیا کہ چلی ہاتھ سے قوم
منظر عام پہ لوگوں سے کیا اسنے خطاب
اِک ذرا سی مگر اس لفظ میں تخصیص بھی ہے
یعنی وہ سلف گورنمنٹ کہ ہو "سوٹ ابل"
یہ مسلّم کہ ہر اک ملک کی حالت ہے جدا
جو حکومت کہ کناڈا کے لئے موزوں ہے
ملک میں ہم بھی ہیں ہندو بھی ہیں عیسائی بھی
واقعی قید "مناسب" ہے بجا اور موزوں
پہلے بھی آپ تو اس حصن میں لیتے تھے پناہ
جب کبھی کوئی بھی تحریک سیاسی ہوگی
اب بھی ہیں جادۂ مقصد کے وہی نقش قدم
یہ وہی لفظ ہے مجموعۂ صد گونہ فریب
آپ ہر بار جو بڑھ بڑھ کے پلٹ آتے ہیں
آپ کے فلسفۂ نو کے یہ الفاظ جدید
ہے حقیقت میں اسی متن غلامی کی یہ شرح
چند جملے جو زبانوں پہ چلے آتے ہیں
ایک ان میں سے ہے یہ بھی کہ "ابھی وقت نہیں"
آج یہ لفظ "مناسب" جو نیا وضع ہوا
آپ کے دائرہ بحث کا مرکز تھا یہی
آپ اس دام سے برسوں بھی نہ چھوٹینگے کبھی

اک نیا روپ بھرا اس نے باندازِ دگر
کہ نہیں سلف گورنمنٹ سے اب ہمکو مفر
جس سے ہیں متفق اللفظ سب ارباب نظر
یا کہ موزوں و مناسب ہو بالفاظ دِگر
جسکا آئین حکومت پہ بھی پڑتا ہے اثر
ہے وہی مملکت ہند میں سرمایۂ شر
جو کہ ہیں نخل حکومت کے لئے برگ و ثمر
آپ اس قید کو کس کام میں لائیں گے مگر
پہلے بھی آپ اسی دشت میں تھے راہ سپر
آپ اس قید مناسب کو بنائیں گے سپر
اب بھی اوراق سیاست کا وہی ہے منظر
یہ وہی لفظ ہے سرمایۂ صد گونہ ضرر
ہے اسی شیوۂ تعلیم غلامی کا اثر
گو بظاہر ہیں فریبندۂ ارباب بصر
ہے حقیقت میں اسی نخل سیاست کا ثمر
آپ دہراتے ہیں ہر بار باندازِ دگر
ہے اسی لفظ کی تشریح باندازِ دگر
آپ اس لفظ کو ہر بار بنائیں گے سپر
آپ کی گردش پیہم کا یہی تھا محور
آپ اس کوچۂ پُر خم سے نہ نکلیں گے مگر

آپ اس بھول بھلیاں سے نہ نکلینگے کبھی
دل سے جائے گا نہ تعلیم غلامی کا اثر

جب کہیں بھی کوئی پہلوئے غلامی ہوگا
ہر طرف پھر کے اسی نقطہ پہ ٹھہرے گی نظر

اس قدر سرد مزاج اور پھر اس پر تبرید
خوف یہ ہے کہ پہنچ جائے نہ فالج کا اثر

آپ کچھ گرم دوائیں جو گوارا فرمائیں
ہم دعا کو یہ سمجھتے ہیں کہ ہوگا بہتر

لیگ
مع
سوٹ اپیل

لیگ کو سلف گورنمنٹ ہے اب پیش نظر
للہ الحمد کہ حل ہو گئی ساری مشکل

اب یہ بیجا ہے شکایت کہ وہ آزاد نہیں
اب یہ کہنا غلطی ہے کہ وہ ہے پا در گل

ملک کے جملہ مسائل کی یہی ہے بنیاد
اور جو کچھ ہے اسی چیز میں ہے سب شامل

لیگ نے حق طلبی میں جو یہ جرأت کی ہے
واقعہ یہ ہے کہ مدح و ثنا کے قابل

کچھ تو ہے لیگ میں جس نے یہ کشش پیدا کی
آپ سے آپ جو کھینچتا ہے ادھر دامن دل

لیگ والوں نے جو اسٹیج پہ کی تقریریں
کر دیئے اس نے خیالات غلط سب باطل

اس دلیری سے ہر اک حرف ادا ہوتا تھا
بعض کہتے تھے کہ ہے سوء ادب میں داخل

الغرض لیگ کے اور مجلس ملکی کے حدود
یوں ملے آکے بہم بحر سے جیسے ساحل

ہاں تو اب عرض ہے یہ خدمت عالی میں جناب
کیجئے سلف گورنمنٹ کا مقصد حاصل

امتحانات سول کے لئے لندن کی یہ قید
ہے یہ رفتار ترقی کے لئے سخت مخل

یہ جو پیمایش ارضی کا ہے سی سالہ رواج
ملک کے حق میں ہے یہ زہر سے بڑھکر قاتل

جو مناسب کہ ولایت کیلئے ہیں مخصوص
آج ابنائے وطن بھی تو ہیں ان کے قابل

صیغۂ فوج میں تخفیف مصارف ہے ضرور
سینۂ ملک پہ افسوس کہ بھاری ہے یہ سل

لیگ نے سُن کے یہ سب مجھ سے باآہستہ کہا
آپ سمجھے کہ اس لفظ کا کیا تھا مجمل

ہم نے گو سلف گورنمنٹ کی خواہش کی تھی
شرط یہ بھی تو لگا دی تھی کہ ہو سوٹ ایبل

آپ جو کہتے ہیں وہ ہے حدِ ادراک سے دور
ہمکو اس خوابِ پریشاں میں نہ کیجے شامل

وہ یہ باتیں ہیں جو مخصوص ہیں یورپ کیلئے
آپ طے پہلے غلامی کی تو کر لیں منزل

مسلم یونیورسٹی

گر خامشی سے فائدہ اخفائے راز ہے
خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے

الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے
کیا جانے کیا حضور کے دل میں خیال ہے

"مسلم" کے لفظ میں تو کوئی بات ہی نہ تھی
کیا اس میں بھی حضور کو کچھ احتمال ہے

اسباب سوءِ ظن کے نئے کچھ عیاں ہوئے
یا پہلے ہی سے شیشۂ خاطر میں بال ہے

ہم تو ازل سے حلقہ بگوشِ نیاز ہیں
یہ سر ہمیشہ زیرِ قدم پائمال ہے

ہمنے تو وہ ثنا و صفت کی حضور کی
جو خاص شیوۂ صفتِ ذوالجلال ہے

آیا کبھی نہ حرفِ تمنا زبان پر
یاں تک تو ہمکو پاسِ ادب کا خیال ہے

اردو کے باب میں جو ذرا کھل گئی زبان
اب تک جبین پر عرقِ انفعال ہے

دامن غبارِ حق طلبی سے رہا ہے پاک
یہ فیضِ خاص ہمسرِ دیرینہ سال ہے

آیا جو حریت کا کبھی دل میں وہم بھی
سمجھا دیا کہ جوششِ جنوں کا ابال ہے

اب تک اسی طریق پہ ہیں بندگانِ خاص
گو صحبتِ عوام میں کچھ قیل و قال ہے

گردن جھکی ہوئی ہے زبان گوہر شکوہ سنج
باطن ہے انقیاد جو ظاہر ملال ہے

الحاق سے کچھ اور نہ تھا مدعائے خاص
بس اک عموم درس وفا کا خیال ہے

یعنی کہ پھیل کر یہ زمانے کو گھیر لے
ابتک جو مختصر یہ علیگڈھ کا جال ہے

یہ پالسی ہے شاہرہ عام قوم کی
اس سے کوئی الگ ہو تو وہ خال خال ہے

پھر بھی حضور کی نہ گئیں سرگرانیاں
پھر بھی گناہگار میرا بال بال ہے

اتنی سی آرزو بھی پذیرا نہ ہو سکی
اب کیا کہیں کہ اور بھی کچھ عرض حال ہے

سنتے رہے غور سے یہ داستان غم
جب ختم ہو گئی تو یہ لب پر مقال ہے

حد سے اگر بڑھے گا تو ہو جائے گا مسہ
وہ درسگاہ ردے وفا کا جو خال ہے

یونیورسٹی

مایوس گو ترقی قومی سے ہیں نہیں
لیکن ابھی تلک تو یہ سودائے خام ہے

رائیں تمام کج ہیں خیالات سب غلط
گم کردہ نجات ہر اک خاص و عام ہے

یہ تیس لاکھ قوم نے جو کر دیے عطا
بے شبہ عزم و ہمت عالی کا کام ہے

لیکن یہ گفتگو جو نئی چھڑ گئی ہے اب
یہ باعث تباہی ناموس و نام ہے

الحاق کی جو شرط نا منظور ہو سکی
اک غلغلہ ہے شور ہے غوغائے عام ہے

لبریز ہے تصور باطل سے ہر دماغ
ہر سینہ عرصہ گاہ ہوسہائے خام ہے

اب اسطرح چلتی ہے اک ایک کی زبان
گویا کہ ذوالفقار علیؑ بے نیام ہے

دو کوڑیاں بھی جس نے نہ دیں آج تک کبھی
اسکی بھی نیند جوش جنوں میں حرام ہے

اک غلغلہ بپا ہے کہ الحاق جب نہیں
پھر کس بنا پہ جامعۂ قوم نام ہے

اسلام کے جو نام سے بھی متّسم نہیں
اس کو تو دور ہی سے ہمارا سلام ہے

مسلم نہیں تو جامعۂ قوم بھی نہیں
چندے لئے گئے تھے اسی شرط پر تمام
یہ درس گاہ خاص نہ تھا مدعائے عام

پھر کیوں یہ شور غلغلۂ و اہتمام ہے
یہ نقض عہد ہے کہ جو شرعاً حرام ہے
یہ وہ متاع ہی نہیں جس کا یہ دام ہے

ان ابلہان قوم کو سمجھائے یہ کوئی
جس کی بنا تمام ہے تقسیم کار پر
عالم میں ہیں ہر اک کے فرائض جدا جدا
ہے مقتدی کا فرض فقط امتثال امر
تھا قوم کا جو فرض وہ تھا بس عطائے زر
یہ بارگاہ خاص نہیں مجلس عوام

عالم کے کاروبار کا اک انتظام ہے
یعنی ہر ایک شخص کا اک خاص کام ہے
یہ مسئلہ مسلمہ خاص و عام ہے
ارشاد و حکم منصب خاص امام ہے
آگے مقدسین علی گڈھ کا کام ہے
سمعاً وطاعةً یہ ادب کا مقام ہے

مخصوص ہیں مناصب خاصان بارگاہ
تم کون ہو جو تم کو یہ سودائے خام ہے

مسئلہ الحاق

مجھ کو حیرت تھی کہ تعلیم غلامی کے لئے
پہلے جو بزم گہ خاص تھی اس فن کیلئے
اسکے ہوتے ہوئے پھر لیگ کی حاجت کیا تھی
فیض ہے عالم بالا کا ابھی تک جاری
غلطی سے جو نئی چیز سمجھتے ہیں اسے

وہ بنا کون سا پہلو ہے کہ جو باقی ہے
آج جو کچھ ہے اسی درس کی مشاقی ہے
جب وہی بادۂ گلگوں ہے وہی ساقی ہے
استفادہ میں وہی شیوۂ اشراقی ہے
یہ فقط وہم غلط کار کی خلاقی ہے

شیخ صاحب نے کہا مجھ سے باندازِ لطیف
اس میں اک راز ہے اک نکتۂ اشراقی ہے
یوں تو ہیں جامعۂ درس غلامی دونوں

فرق یہ ہے کہ وہ محدود یہ الحاقی ہے

یونیورسٹی ڈیپوٹیشن

تھی سفارت کی جو تجویز بظاہر موزوں
اہل مجلس بھی بظاہر نظر آتے تھے خموش

دفعتہً دائرہ صدر سے اٹھا اک شخص
جس کی آزادی تقریر تھی غارتگر ہوش

اس نے اس زور سے تجویز پہ کی رد و قدح
چونک اوٹھے وہ بھی جو بیٹھے ہوئے تھے پنبہ بگوش

اہل مجلس نے جو بدلا ہوا دیکھا انداز
ڈر ہوا یہ کہ کہیں اور نہ بڑھ جائے خروش

صدر محفل نے بُلا کر اُسے آہستہ کہا
کہ تو ہم شامل وفد ہستی و ایں مایہ مجوش

بادۂ جام سفارت سے مرد افگن تھا
ایک ہی جرعہ میں وہ شیر جری تھا خاموش

اب نہ وہ طرز سخن تھا نہ وہ آزادی رائے
نہ وہ ہنگامہ طرازی تھی نہ وہ جوش و خروش

جس کی تقریر سے گونج اٹھا تھا اجلاس کا ہال
اب وہ اک پیکر تصویر تھا بالکل خاموش

سخت حیرت تھی کہ اک ذرۂ خاکستر تھا
وہ شرارہ جو ابھی برق سے تھا دوش بدوش

دیکھتے ہیں تو حرارت کا کہیں نام نہیں
ہوگیا شعلۂ سوزندہ بھڑک کر خس پوش

اہل ثروت سے یہ کہدو کہ مبارک ہو تمہیں
للہ الحمد ابھی ملک میں ہیں رائے فروش

یونیورسٹی اور الحاق

شرط الحاق پہ اصرار اور ایسا اصرار
شیوۂ عقل نہیں بلکہ یہ ہے کج نگہی

درسگاہیں ہیں کہاں بھیجئے جن کا الحاق
اور اگر ہیں بھی تو بیکار ہیں طبل تہی

لوگ جس چیز کو کہتے ہیں "علی گڈھ کالج"
یہ وہی قبلۂ حاجات ہے سوچئیں تو ذرا
آج جو لوگ ہیں جمعیتِ قومی کے امام
سب کے سب متفق اللفظ یہی کہتے ہیں

چشمِ بنیاد ہو تو ہے جامعہ قوم یہی
یہ وہی کعبۂ مقصود ہے دیکھیں تو سہی
جن کا ارشاد ہے ہمپایۂ طغرائے شہی
اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْحَقُّ وَ اٰمَنْتُ بِہ

قوم کا دیکھیے بچپن کہ سب سن کے کہا
جو کھلونا مجھے دکھلایا تھا لوں گی تو وہی

یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی کا اجلاس لکھنو

۲۸ دسمبر ۱۹۱۲ء

یہ فیض ہے جماعت احرار کا ضرور
آزادی خیال کا جو کچھ کہ ہے اثر
لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ عزم یہ ترنگ

اب قوم کو جو شخص پرستی سے عار ہے
یہ سب انہیں کے فیض کا منت گزار ہے
ہے دیرپا کہ جوشِ جنونِ بہار ہے

اب کی جو لکھنؤ میں دکھایا گیا سماں
دیکھا یہ پہلے دن کہ ہر اک گوشۂ بساط
غل ہے کہ وہ مقدمۃ الجیش آگیا
احرار کی صفوں کی صفیں ہیں جمی ہوئی
اسٹیج پر ہر ایک بپھرتا ہے اس طرح
ہاتھ اٹھ رہے ہیں یا علم فتح ہے بلند
ہر نوجوان ہے نشۂ آزادگی میں مست

سچ پوچھیے تو مضحکہ روزگار ہے
میدان رزم و عرصہ گہ گیر و دار ہے
اب انتظار فوج یمین و یسار ہے
مجلس تمام عرصہ گہ کارزار ہے
گویا حریف رستم و اسفندیار ہے
چلتی ہوئی زبان ہے یا ذوالفقار ہے
جو ہے وہ حریت کا سر پر خمار ہے

احرار کہہ رہے ہیں شانہیں گے ہم کبھی | ویٹو کا ویسرائے کو کیا اختیار ہے
الحاق اگر نہیں ہے تو یہ سعی ہے عبث | مسلم کا لفظ خاص ہمارا شعار ہے
جو والیان ملک کہ تھے زیب انجمن | سب دم بخود سے تھے کہ یہ کیا خلفشار ہے

یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بزم میں | نے وہ خروش وہ جوش نہ وہ گیر و دار ہے
ٹوٹی ہوئی صفیں ہیں علم سرنگوں ہیں سب | بازوئے تیغ گیر جو تھا رعشہ دار ہے
سازش کا ایک جال بچھایا ہے ہر طرف | ہر شخص اس کی فکر میں مصروف کار ہے
سرمستیاں ہیں دور قدح ہائے راز کی | ہر شخص حکمت عملی کا شکار ہے

جو بات کل تلک سبب ننگ و عار تھی | وہ آج مایۂ شرف و افتخار ہے
جس بات پر کہ نعرۂ نفریں بلند تھا | اب وہ قبولِ خاطر ہر ذی وقار ہے
کل کہہ چکے ہیں کیا؟ یہ نہیں اب کسی کو یاد | اب نکتہ ہائے زیر لبی پر مدار ہے
خود آپ اپنے ہاتھ سے کھائی ہے گو شکست | کہتے ہیں پھر یہ فتح مبین یادگار ہے

حیران تھے عوام کہ کیا ماجرا ہے یہ | یہ کیسا دورنگیِ چمنِ روزگار ہے

احرار کا طریق عمل ہے اگر یہی
پھر کامیابیوں کا عبث انتظار ہے

نالۂ شبلی

بر وفات برادر خرد مولوی محمد اسحق مرحوم وکیل ہائیکورٹ الہ آباد

وہ بھی تھا ایک دن کہ یہ وحشت سرائے دل | اک محشر نشاط و وفور سرور تھا
رنگینی خیال سے لبریز تھا دماغ | جو شعر تھا چراغ شبستان حور تھا

سینہ میں تھا چمن کدۂ صد امید تو | آنکھوں میں کیف بادۂ ناز و غرور تھا
ایک ایک تھا ورق نوبہار حسن | ذروں کے رخ پہ صبح سعادت کا نور تھا

نظر آتا نہیں اب صبر کا پہلو مجھ کو | کام دیتے نہیں کچھ قوت بازو مجھ کو
شہر ویرانہ نظر آتا ہے ہر سو مجھ کو | ہائے افسوس کہاں چھوڑ گیا تو مجھ کو

جب وہ گنجینۂ امید و تمنا نہ رہا
ایک بیکار زمانہ میں رہا یا نہ رہا

انتقال پدر پیر بھی دیکھا میں نے | ماتم مادر دلگیر بھی دیکھا میں نے
صدمۂ رحلت ہمشیر بھی دیکھا میں نے | دو برادر کو جواں مر بھی دیکھا میں نے

یہ نمائش کدۂ داغ عزیزاں تو نہیں
میرا سینہ ہے الٰہی یہ چراغاں تو نہیں

خلیفہ عمر بن عبد العزیز کا انصاف

لہٗ

پسر عبد عزیز اموی | عدل میں ثانی ابن الخطاب
جب ملا تخت خلافت انکو | ہو گیا گلشن گیتی شاداب
ایک شب گھر سے چلے بہر نماز | پڑ گیا جب رخ عالم پہ نقاب
کوئی آوارہ وطن تند مزاج | صحن مسجد میں تھا آلودہ خواب
پاؤں کا ان کے ٹھوکا جو لگا | جاگ اٹھا اور کیا انسے خطاب
خبر ہے کیا کوئی مجنون ہے تو | یا کچھ ہے تیری آنکھوں پہ حجاب
ہنس کے فرمایا کہ مجنوں نہیں | کچھ نہیں مجھ میں جنوں کے اسباب
ہاں مگر ہو گئی مجھ سے تقصیر | آپ سے عفو کا طالب ہوں جناب

چوبداروں نے کیا اس کو اسیر — چاہتے یہ تھے کہ دیں اسکو جواب
آپ نے روک دیا ان کو وہیں — پھر کیا ان سے یہ آہستہ خطاب
اس نے اک بات فقط پوچھی تھی — جو مناسب تھا دیا میں نے جواب
بات قطعی تو نہیں اس نے کی — پوچھنا کچھ نہیں شایانِ عتاب
اتنی سی بات پہ یہ جوش و غضب — اتنی سی بات پہ یہ خشم و عتاب
بیکسوں کو میں ستاؤں کیونکر — مجھکو دینا ہے قیامت میں جواب

دعوتِ عمل

یہ نظم ۱۸۹۳ء کے اجلاس محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس میں پڑھی گئی تھی۔

بجا ہے آج اگر اس بزم میں زیب و ساماں ہیں — یہ انکی بزم ہے جو یادگار نسل عدناں ہیں
خلیل اللہ سے مہمان نوازی جنکو پہنچی ہے — ہزاروں کوس سے آ کے وہ اس گھر میں مہماں ہیں
فقط اک جذبہ قومی انہیں واں کھینچ لایا ہے — جہاں زور حکومت ہے نہ حاجب ہیں نہ درباں ہیں
ہماری خدمتوں کا وہ اٹھانے آئے ہیں احسان — کہ اسلامی جماعت پر ہزاروں جنکے احساں ہیں
ہنر میں علم میں اخلاق میں مجد اور شرافت میں — یہی وہ صورتیں ہیں جن پہ ہم تم آج نازاں ہیں
خدا نے انکو بخشی ہے حکومت اور سطوت بھی — کہ جسم سلطنت کے یہ جوارح اور ارکان ہیں
مگر ان کو کسی عزت پہ نازش ہے تو اس پر ہے — کہ یہ اسلام کے ہیں نام لیوا اور مسلماں ہیں
نہ عہدوں کا تفاوت ہے نہ کچھ حفظ مراتب ہے — یہاں جس سادگی سے یہ شریک بزم اخواں ہیں
معمر بھی ہیں ان میں نوجوان بھی اور کمسن بھی — مگر شان اخوت میں مدارج سب کے یکساں ہیں
یہ وہ ہیں جنمیں ہے اسلام کا ابتک اثر باقی — یہ وہ ہیں جنمیں جوہر نسل عدنانی کے پنہاں ہیں
انہیں کے بازوؤں میں زور تھا کشورستانی کا — انہیں کی یادگاریں جابجا ابتک نمایاں ہیں
یہ وہ ہیں جان و دل سے جو فدائے قوم و ملت ہیں — یہ وہ ہیں نام پر اسلام کے جو دل سے قرباں ہیں

نہ ہوگا ایک بھی دل دردِ قومی سے جو خالی ہو — بظاہر گرچہ سب مسرور ہیں خرم ہیں شاداں ہیں
انہیں احساس ہے آئین و ملت کی تباہی کا — یہ واقف ہیں کہ بیڑے قوم کے اب غرقِ طوفاں ہیں
انہیں معلوم ہے جس تاک میں ہے گردشِ گرداں — انہیں محسوس ہے جس گھات میں ایامِ دوراں ہیں

خبر ہے انکو جس آغاز میں چھوٹا بڑا ہے اب
یہ واقف ہیں کہ پہلے قوم کیا تھی اور کیا ہے اب

علاج اپنا ہم اب تک تو سمجھتے تھے کہ آساں ہے — مگر وہ درد نکلا جس کو ہم سمجھے تھے درماں ہے
دوا ہر بار جب اپنا اثر الٹا ہی دکھلائے — تو بس سمجھو کہ اب بیمار کوئی دم کا مہماں ہے
جو سچ پوچھو تو ہے اسلامیوں کی بس یہی حالت — مرض دونا بڑھا دیتی ہے خود وہ شے جو درماں ہے
سلف کا تذکرہ جو ہمت و غیرت کا ہے افسوں — ہمارے حق میں وہ سرمایۂ خوابِ پریشاں ہے
یہ افسانے بڑھاتے ہیں ہماری نیند کی شدت — یہ افسوں حق میں اپنے اور مدہوشی کا ساماں ہے
ہمیں احساس تک ہوتا نہیں اپنی تباہی کا — کہ سب پیشِ نظر اسلاف کی وہ شوکت و شاں ہے
ہماری کلفتیں سب دور ہو جاتی ہیں یہ سن کر — کہ دنیا آج تک اسلام کی ممنونِ احساں ہے
مزے لیتے ہیں پہروں تک کسی صحبت میں سنتے ہیں — کہ یورپ دولتِ عباس کا اب تک ثنا خواں ہے
نہیں رہنے کو یاں گھر تک مگر چرچے یہ رہتے ہیں — کہ اب تک قصرِ حمرا قبلہ گاہِ رہ نورداں ہے
ہیں خود ان پڑھ مگر اس علم پر اتراتے پھرتے ہیں — کہ دنیا میں ہمیں سے زندہ اب تک نامِ یوناں ہے
نظر آتے ہیں ہم کو عیب اپنے خوبیاں بن کر — ہم اپنے جہل کو بھی یہ سمجھتے ہیں کہ عرفاں ہے
بسر ہوتی ہے گر اوقات فیاضی پہ غیروں کی — تو سمجھے ہیں کہ بس زہد و توکل کی یہی شاں ہے
حمیت اور خودداری نہیں ہے گر طبیعت میں — تو اچھا ہے کہ مسکینی تو اول شرطِ ایماں ہے
طبیعت میں اگر ہیں فتنہ پردازی کے کچھ جوہر — تو دعویٰ ہے کہ تدبیر و ریاست فرضِ انساں ہے

وہ قوم اور وہ جماعت جس میں اخلاق محکم ہیں
بلائیں اس پہ جو آئیں وہ کم ہیں اور بہت کم ہیں

یہ جو کچھ سن چکے ہو قوم کی تم حالتِ ابتر — نہ سمجھو یہ کہ ہے اس داستاں کا خاتمہ اس پر
ہماری سب سے بڑھ کر بدنصیبی جو ہے وہ یہ ہے — کہ بے پروا ہیں وہ بھی قوم کے جو آج ہیں لیڈر

گیا وہ وقت جب تھا بس اسی کا نام ہمدردی ۔۔۔ کہ وہ آنسو بہا لیں قوم کی درماندہ حالت پر
گیا وہ وقت ہمکو ناصحوں کی جب ضرورت تھی ۔۔۔ فلک نے کر دیا اک اک کو آپ اپنا نصیحت گر
گئے وہ دن کہ ہم محتاج تھے عبرت دلانے کے ۔۔۔ ہمارا حال خود عبرت فزا ہے آج سر تا سر
ضرورت اب ہے گر ہمکو تو بس ہے ان بزرگوں کی ۔۔۔ کہ جنمیں خیر سے کچھ کر دکھانے کے بھی ہوں جوہر
فقط باتیں نہیں کچھ کام بھی بن آئے ہاتھوں سے ۔۔۔ کہیں جو کچھ وہ منہ سے کر دکھائیں اس سے کچھ بڑھ کر
نہیں گر یہ تو بس اک گرمی صحبت کے ساماں ہیں ۔۔۔ یہ قومی مرثیے یہ وعظ یہ اسپیچ یہ لکچر
طلب و سعی سے کچھ کام بن آئے تو بن آئے ۔۔۔ فصاحت اور بلاغت کا بس اب چلتا نہیں منتر
تمھیں جو کام ہیں درپیش گو مشکل سے مشکل ہیں ۔۔۔ مگر کرنے پہ آجاؤ تو آساں سے ہیں آساں تر
ابھی تک تم میں ہے اسلاف کا کچھ کچھ اثر باقی ۔۔۔ شرر گو بجھ چکے پر گرم ہے اب تک وہ خاکستر
ابھی کچھ کچھ مہک باقی ہے ان مرجھائے پھولوں میں ۔۔۔ ابھی کچھ کاٹ ہے اس تیغ میں گو مٹ چکے جوہر
وہی فیاضیاں تم میں ہیں جو تھیں معن و حاتم میں ۔۔۔ مگر بیہودہ رسموں کیلئے وہ وقف ہیں یکسر
کچھ اس سے کم ہوا تھا صرف تجہیز اسامہ میں ۔۔۔ لٹا دیتے ہو تقریبوں میں جتنا تم زر و زیور
فقط آپس کے جھگڑوں میں تم اس سے کام لیتے ہو ۔۔۔ وہ جودت اور ذہانت جسمیں اب بھی ہو تم نام آور

سنبھلنا اب بھی گر چاہو تو ہے وقت اور ضرورت بھی
وگرنہ پھر نہیں رہنے کی جو کچھ ہے یہ حالت بھی

غزلیات

اثر کے پیچھے دل حزیں نے نشاں چھوڑا نہ ہر کہیں کا
گئے ہیں نالے جو سوئے گردوں تو اشک نے رخ کیا زمیں کا

بھلی تھی تقدیر یا بری تھی یہ راز کس طرح سے عیاں ہو
بتوں کو سجدے کئے ہیں اتنے کہ مٹ گیا سب لکھا جبیں کا

وہی لڑکپن کی شوخیاں ہیں وہ اگلی ہی سی شرارتیں ہیں
سیانے ہونگے تو ہاں بھی ہو گی ابھی تو سن ہے نہیں نہیں کا

یہ نظم آئین، یہ طرز بندش، سخنوری ہے فسوں گری ہے
کہ ریختہ میں بھی تیرے شبلی مزہ ہے طرز علی حزیں کا

⁂

تیر قاتل کا یہ احسان رہ گیا — جائے دل سینہ میں پیکاں رہ گیا
کی ذرا دست جنوں نے کوتہی — چاک آکر تا بداماں رہ گیا
دو قدم چل کر ترے وحشی کے ساتھ — جادۂ راہ بیاباں رہ گیا
قتل ہو کر بھی سبکدوشی کہاں — تیغ کا گردن پہ احساں رہ گیا
ہم تو پہنچے بزم جاناں تک مگر — شکوۂ بیداد درباں رہ گیا
کیا قیامت ہے کہ کوئے یار سے — ہم تو نکلے اور ارماں رہ گیا
دوسروں پر کیا کھلے راز دہن — جبکہ خود وصل نخ سے پنہاں رہ گیا
جذبۂ دل کا ذرا دیکھو اثر — تیر نکلا بھی تو پیکاں رہ گیا
جامۂ ہستی بھی اب تن پر نہیں — دیکھ وحشی تیرا عریاں رہ گیا
ضعف مرنے بھی نہیں دیتا مجھے — میں اجل سے بھی تو پنہاں رہ گیا
اے جنوں تجھ سے سمجھ لوں گا اگر — ایک بھی تار گریباں رہ گیا
حسن چمکا یار کا، اب آفتاب — اک چراغ زیر داماں رہ گیا
لوگ پہنچے منزل مقصود تک — میں جرس کی طرح نالاں رہ گیا
بزم میں ہر سادہ رو تیرے حضور — صورت آئینہ حیراں رہ گیا

یاد رکھنا دوستو اس بزم میں
آ کے شبلی بھی غزل خواں رہ گیا

⁂

پوچھتے کیا ہو جو حال شب تنہائی تھا — رخصت صبر تھی یا ترک شکیبائی تھا

شب فرقت میں دل غمزدہ بھی پاس نہ تھا
وہ بھی کیا رات تھی کیا عالم تنہائی تھا

میں تھا یا دیدۂ خوننابہ فشاں تھی شب ہجر
ان کو واں مشغلۂ انجمن آرائی تھا

پارہ ہائے دل خونیں کی طلب تھی پیہم
شب جو آنکھوں کو مرے ذوق خود آرائی تھا

رحم تو ایک طرف پایۂ شناسی دیکھو
قیس کو کہتے ہیں مجنون تھا صحرائی تھا

آنکھیں قاتل سہی پر زندہ جو کرنا ہوتا
لب میں اے جان تو اعجاز مسیحائی تھا

خون رو رو دیے بس وہ ہی قدم میں چھالے
یاں وہی حوصلۂ بادیہ پیمائی تھا

دشمن جاں تھے ادھر ہجر میں درد و غم و رنج
اور ادھر ایک اکیلا ترا شیدائی تھا

انگلیاں اٹھتی تھیں مژگاں کی اسی رخ پیہم
جس طرح بزم میں وہ کافر ترسائی تھا

کون اس راہ سے گذرا ہے کہ ہر نقش قدم
چشم عاشق کی طرح اس کا تماشائی تھا

خوب وقت آئے نکیرین جزا دیگا خدا
لحد تیرہ میں کیا عالم تنہائی تھا

ہم نے بھی حضرت شبلی کی زیارت کی تھی
یوں تو ظاہر میں مقدس تھا پہ شیدائی تھا

تیس دن کے لئے ترک مے و ساقی کر لوں
واعظ سادہ کو روزوں میں تو راضی کر لوں

پھینک دینے کی کوئی چیز نہیں فضل و کمال
ورنہ حاسد تری خاطر سے میں یہ بھی کر لوں

اے نکیرین قیامت ہی پہ رکھو پرسش
میں ذرا عمر گذشتہ کی تلافی کر لوں

کچھ تو ہو چارۂ غم بات تو یکسو ہو جائے
تم خفا ہو تو اجل ہی کو میں راضی کر لوں

اور پھر کس کو پسند آئے گا ویرانہ دل
غم سے مانا بھی کہ اس گھر کو میں خالی کر لوں

جور گردوں سے جو مر نیکی بھی فرصت ملجائے
امتحان دم جاں پرور عیسی کر لوں

دل ہی ملتا نہیں سفلوں سے وگرنہ شبلی
خوب گذرے فلک دوں سے جو یاری کر لوں

ناتواں عشق نے آخر کیا ایسا ہم کو
غم اٹھانے کا بھی باقی نہیں یارا ہم کو

درد فرقت سے ترے ضعف ہے ایسا ہم کو
خواب میں ترے دشوار ہے آنا ہم کو

جوش وحشت میں ہو کیا ہمکو بھلا فکر لباس
بس کفایت ہے جنوں دامن صحرا ہم کو

رہبری کی دہن یار کی جانب خط نے
خضر نے چشمۂ حیواں یہ دکھایا ہم کو

دل گرا اس کے زنخداں میں فریب خط سے
چاہ خس پوش تھا اے وائے نہ سوجھا ہمکو

واہ کاہیدگی جسم بھی کیا کام آئی
بزم میں تھے یہ رقیبوں نے نہ دیکھا ہمکو

قالب جسم میں جان آگئی گویا شبلی
معجزہ فکر نے اپنی یہ دکھایا ہم کو

کچھ اکیلی نہیں میری قسمت
غم کو بھی ساتھ لگا لائی ہے

منتظر دیر سے تھے تم میرے
اب جو تشریف صبا لائی ہے

نکہت زلف غبار رہ دوست
آخر اس کوچہ سے کیا لائی ہے

موت بھی روٹھ گئی تھی مجھ سے
یہ شب ہجر منا لائی ہے

مجکو لے جا کے مری آنکھ وہاں
اک تماشا سا دکھلائی ہے

آہ کو سوئے اثر بھیجا تھا
واں سے کیا جانیے کیا لائی ہے

شبلی زار سے کہدے کوئی
مژدۂ وصل صبا لائی ہے

یار کو رغبت اغیار نہ ہونے پائے
گل تر کو ہوس خار نہ ہونے پائے

اس میں در پردہ سمجھتے ہیں وہ اپنا ہی گلہ
شکوۂ چرخ بھی زنہار نہ ہونے پائے

فتنۂ حشر جو آنا تو دبے پاؤں ذرا
بخت خفتہ مرا بیدار نہ ہونے پائے

ہائے دل کھول کے کچھ کہہ نہ سکے سوز دل
آبلے ہم سخن خار نہ ہونے پائے

چپکے وہ آتے ہیں گلگشت کو اے باد صبا
سبزۂ باغ بھی بیدار نہ ہونے پائے

پھر کہیں جوش میں آجائیں نہ یہ دیدۂ تر
سامنے ابر گہربار نہ ہونے پائے

باغ کی سیر کو جاتے تو ہو پر یاد رہے
سبزۂ بیگانہ ہے دوچار نہ ہونے پائے

جمع کر لیجیے غمزوں کو مگر خوبی بزم
بس وہیں تک ہے کہ بازار نہ ہونے پائے

آپ جاتے ہیں اس بزم میں لیکن شبلی
حال دل دیکھیے اظہار نہ ہونے پائے

متفرقات

نوجوانوں سے خطاب

کئے تھے ہم نے بھی کچھ کام جو کچھ ہم سے بن آئے
یہ قصہ جب کا ہے باقی تھا جب عہد شباب اپنا
اور اب تو سچ یہ ہے جو کچھ امیدیں ہیں وہ ہیں تم سے
جوان ہو تم لب بام آ چکا ہے آفتاب اپنا

حضرت اکبر الہ آبادی کے رقعہ دعوت کا جواب

آج دعوت میں نہ آنے کا مجھے بھی ہے ملال
آپ کے لطف و کرم کا مجھے انکار نہیں
لیکن اب میں وہ نہیں ہوں کہ پڑا پھرتا تھا
دل کے بہلانے کی باتیں ہیں یہ شبلی ورنہ

لیکن اسباب کچھ ایسے ہیں کہ مجبور ہوں میں
حلقہ در گوش ہوں ممنون ہوں مشکور ہوں میں
اب تو اللہ کے افضال سے تیمور ہوں میں
جیتے جی مردہ ہوں مرحوم ہوں مغفور ہوں میں

سیرۃ نبوی کی تکمیل

مصارف کی طرف سے مطمئن ہوں میں بہر صورت
کہ ابر فیض سلطان جہاں بیگم زر افشاں ہے
رہی تالیف و تنقید روایات تاریخی
تو اسکے واسطے حاضر مرا دل ہے مری جاں ہے

غرض دو ہاتھ ہیں اس کام کے انجام میں شامل
کہ جس میں اک فقیر بینوا ہے ایک سلطان ہے

ایک ناتمام نظم

اک شہر میں کہ پایۂ تخت قدیم ہے
دیوار و در سے تہنیت فتح ہے بلند
پرچم ہیں بیرقیں ہیں علم ہیں نشان ہیں
مسند نشین ہے تخت حکومت پہ جلوہ گر
ہیں بے حجاب پردہ گیان حریم قدس

پچھلے پہر سے آج عجب شور و شین ہے
غل ہے کہ آج عیش ہر راحت چین ہے
گویا کہ وقت برہمی مشرقین ہے
دربار ہے کہ جلوہ گہ زیب و زین ہے
جن کی زبان پہ شور ہے نوحہ ہے بین ہے

تاکید ان سے ہے کہ ادب سے کھڑی ہیں
یعنی یہ احترام شہی فرض عین ہے

شہر آشوب اسلام

ریاستہائے بلقان نے ملکر ایک ساتھ ترکی پر حملہ کیا تھا۔ اور اس سے ترکی کو جو نقصان عظیم اٹھانا پڑا اس پر تمام دنیائے اسلام نے خون کے آنسو بہائے تھے۔ ان ہی اشک فشانیوں کے چند قطرات یہ ہیں۔

حکومت پر زوال آیا تو نام و نشاں کبتک
قبائے سلطنت کے گر فلک نے کردیے پرزے
مراکش جاچکا، فارس گیا، اب دیکھنا یہ ہے
یہ سیلاب بلا بلقان سے جو بڑھتا آتا ہے
یہ سب ہیں رقص بسمل کا تماشا دیکھنے والے
یہ وہ ہیں نالۂ مظلوم کی لے جنکو بھاتی ہے

چراغ کشتۂ محفل سے اٹھے گا دھواں کبتک
فضائے آسمانی میں اڑیں گی دھجیاں کبتک
کہ جیتا ہے یہ ترکی کا مریض سخت جاں کبتک
اسے روکے گا مظلوموں کی آہوں کا دھواں کبتک
یہ سیران کو دکھائے گا شہید نیم جاں کبتک
یہ راگ انکو سنائے گا یتیم ناتواں کبتک

کوئی پوچھے کہ اے تہذیب انسانی کے استادو
یہ جوش انگیزی طوفان بیداد و بلا تا کے

یہ ظلم آرائیاں تا کے یہ حشر انگیزیاں کبتک
یہ لطف اندوزی ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک

یہ مانا تمکو تلواروں کی تیزی آزمانی ہے
ہماری گردنوں پر ہوگا اسکا امتحاں کبتک

نگارستان خون کی سیر گر تم نے نہیں دیکھی
تو ہم دکھلائیں تمکو زخمہائے خوں چکاں کبتک

یہ مانا گرمی محفل کے ساماں چاہئیں تم کو
دکھائیں ہم تمہیں ہنگامۂ آہ و فغاں کبتک

یہ مانا قصۂ غم سے تمھارا جی بہلتا ہے
سنائیں تمکو اپنے درد دل کی داستاں کبتک

یہ مانا تمکو شکوہ ہے فلک سے خشک سالی کا
ہم اپنے خون سے سینچیں تمھاری کھیتیاں کبتک

عروس بخت کی خاطر تمہیں درکار ہے افشاں
ہمارے ذرہ ہائے خاک ہونگے درفشاں کبتک

کہاں تک لوگے ہمسے انتقام فتح ایوبی
دکھاؤگے ہمیں جنگ صلیبی کا سماں کبتک

سمجھکر یہ کہ دھندلے سے نشان رفتگاں ہم ہیں
مٹاؤگے ہمارا اس طرح نام و نشاں کبتک

زوال دولت عثمان زوال شرع ملت ہے
عزیزو فکر فرزند و عیال و خانماں کبتک

خدارا تم یہ سمجھے بھی کہ یہ طیاریاں کیا ہیں
نہ سمجھے اب تو پھر سمجھوگے تم یہ چیستاں کبتک

پرستاران خاک کعبہ دنیا سے اگر اٹھے
تو پھر یہ احترام سجدہ گاہ قدسیاں کبتک

جو گونج اٹھے گا عالم شور ناقوس کلیسا سے
تو پھر یہ نغمۂ توحید و گلبانگ اذاں کبتک

بکھرتے جاتے ہیں شیرازۂ اوراق اسلامی
چلیں گی تند باد کفر کی یہ آندھیاں کبتک

نہیں اڑکر نہ دامان حرم کو بھی یہ چھو آئے
غبار کفر کی یہ بے محابا شوخیاں کبتک

حرم کی سمت بھی صید افگنوں کی جب نگاہیں ہیں
تو پھر سمجھو کہ مرغان حرم کا آشیاں کبتک

جو ہجرت کرکے بھی جائیں تو شبلی اب کہاں جائیں
کہ اب امن و امان شام و نجد و قیرواں کبتک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مساوات

بدر میں معرکہ آرا جو ہوا لشکر کفر
عتبہ ابن ربیعہ تھا امیر العسکر

سب سے پہلے وہی میدان میں بڑھا تیغ بکف
ساتھ اک بھائی تھا اور بھائی کے پہلو میں پسر

اس طرح جس نے مبارز طلبی کی پہلے
مرد میداں کوئی تم میں ہو تو نکلے باہر

بڑھ کے یہ لشکر اسلام سے نکلے بہم
تین جانباز کہ ایک ایک تھا اس کا ہمسر

سامنے آئے جو یہ لوگ تو عتبہ نے کہا
کس قبیلہ سے ہو کیا ہے نسب جد و پدر

بولے ہم وہ ہیں کہ ہے نام ہمارا انصار
ہم ہیں شیدائی اسلام ہے ہر فرد و بشر

جاں نثاران رسول عربی ہیں ہم لوگ
اک اشارہ ہو تو ہم کاٹ کے رکھ دیتے ہیں سر

بولا عتبہ کہ بجا کہتے ہو جو کہتے ہو
مگر افسوس کہ مغمور ہے اولاد مضر

تم سے لڑنا تو ہمارے لئے ہے مایہ عار
کہ نہیں تیغ قریشی کے سزاوار یہ سر

کہہ کے یہ سرور عالم سے کیا اس نے خطاب
اے محمد صلعم یہ نہیں شیوۂ ارباب ہنر

جنگ نا جنس سے معذور ہیں ہم آل قریش
بھیج ان کو جو ہوں رتبے میں ہمارے ہم سر

آپ کے حکم سے انصار پھر آئے صف میں
حمزہ و حیدر کرار نے لی تیغ و سپر

ان سے عتبہ نے جو پوچھا نسب و نام و نشان
بولے یہ لوگ کہ ہاشم کے ہیں ہم لخت جگر

بولا عتبہ کہ نہیں جنگ سے اب ہم کو گریز
آؤ اب تیغ قریشی کے دکھائیں جوہر

یا یہ حالت تھی کہ تلوار بھی تھی طالب کفو
یا مساوات کا اسلام کے پھیلا یہ اثر

بارگاہِ نبوی کے جو موذن تھے بلال
کر چکے تھے جو غلامی میں کئی سال بسر

جب یہ چاہا کہ کریں عقد مدینے میں کہیں
جا کے انصار و مہاجر سے کہا یہ کھل کر

میں غلام حبشی اور حبشی زادہ بھی ہوں
یہ بھی سن لو کہ مرے پاس نہیں دولت و زر

ان فضائل پہ مجھے خواہش تزویج بھی ہے
ہے کوئی جس کو نہ ہو میری قرابت سے حذر

گردنیں جھک گئے یہ کہتی تھیں دل سے منظور
جس طرف اس حبشی زادہ کی اٹھتی تھی نظر

عہد فاروق میں جس دن کہ ہوئی انکی وفات
یہ کہا حضرت فاروق نے با دیدۂ تر

اٹھ گیا آج زمانہ سے ہمارا آقا
اٹھ گیا آج نقیب حشم پیغمبر

خلافت فاروقی کا ایک واقعہ

عام الرمادہ کہتے ہیں جس کو عرب میں لوگ
عہد خلافت عمری کا وہ سال تھا

اس سال قحط عام تھا کہ ملک میں
لوگوں کو بھوک پیاس سے جینا محال تھا

پانی کی ایک بوند نہ ٹپکی تھی ابر سے
ہر خاص و عام سخت پراگندہ حال تھا

اعراب کی بسر حشرات زمیں پہ تھی
سب اٹھ گیا جو فرق حلال و حرام تھا

تشویش سب سے بڑھکر جناب عمر کو تھی
ہر دم اسی کی فکر اسی کا خیال تھا

تدبیر لاکھ کی تھی مگر رک سکا نہ قحط
گو انتظام ملک میں ان کو کمال تھا

معمول تھا جناب عمر کا کہ متصل
کرتے تھے گشت رات کا سونا بحال تھا

ایک دن کا واقعہ ہے کہ پہنچے جو دشت میں
کوسوں تلک زمین پہ خیموں کا جال تھا

بچے کئی تھے ایک ضعیفہ کی گود میں
جن میں کوئی بڑا تھا کوئی خوردسال تھا

دیکھا جو اس کو یہ کہ پکاتی ہے کوئی چیز
جاتا رہا جو طبع حزیں پر ملال تھا

سمجھے کہ اب وہ ملک کی حالت نہیں رہی
کم ہو چلا ہے قحط کا جو اشتعال تھا

پوچھا خود اس سے جا کے تو رونے لگی وہ آہ
کیا آپ کو غذا کا بھی یاں احتمال تھا

بچے یہ تین دن سے تڑپتے ہیں خاک پر
میں کیا کہوں زبان سے جو ان کا حال تھا

مجبور ہو کے ان کے بہلنے کے واسطے
پانی چڑھا دیا ہے یہ اس کا ابال تھا

ان سے یہ کہدیا ہے کہ اب مطمئن رہو
کھانا یہ پک رہا ہے اسی کا خیال تھا

بے اختیار رونے لگے حضرت عمرؓ
بولے کہ یہ مرے ہی کئے کا وبال تھا

جو کچھ ہے یہ سب ہے مری شامتِ عمل
از بس گناہگار مرا بال بال تھا

بازار جا کے لائے سب اسباب آب و نان
جو زخم قحط کا سبب اندمال تھا

چولھے کے پاس بیٹھ کے خود پھونکتے تھے آگ
چہرہ تمام آگ کی گرمی سے لال تھا

بچوں نے پیٹ بھر کے کھایا تو کھل اُٹھے
ایک ایک اب تو فرطِ خوشی سے نہال تھا

تھی وہ زن ضعیف سراپا زبان شکر
یاں حضرتِ عمرؓ کو وہی انفعال تھا

عہدہ عمر کو یہ جو ملا تجھ سے چھین کر
جو کچھ گزر رہا ہے یہ اس کا وبال تھا

عدل فاروقی کا ایک واقعہ

ایک دن حضرت فاروق نے ممبر پہ کہا
میں تمہیں حکم جو کچھ دوں تو کرو گے منظور

ایک نے اُٹھ کے کہا یہ کہ مانیں گے کبھی
کہ ترے عدل میں ہمکو نظر آتا ہے فتور

چادریں مال غنیمت میں جو آپکے آئیں
صحن مسجد میں وہ تقسیم ہوئیں سب کے حضور

ان میں ہر ایک کے حصہ میں فقط ایک آئی
تھا تمھارا بھی وہی حق کہ یہی ہے دستور

اب جو یہ جسم پہ تیرے نظر آتا ہے لباس
یہ اسی لوٹ کی چادر سے بنا ہوگا ضرور

مختصر تھی وہ ردا اور ترا قد ہے دراز
ایک چادر میں ترا جسم نہ ہوگا مستور

اپنے حصے سے زیادہ جو لیا تو نے تو اب
تو خلافت کے نہ قابل ہے نہ ہم ہیں مامور

گرچہ وہ حد مدارج سے بڑھا جاتا تھا
سب کے سب مہر بلب تھے چہ اناث و چہ ذکور

روک دے کوئی کسی کو یہ نہ رکھتا تھا مجال
نشۂ عدل و مساوات میں سب تھے مخمور

اپنے فرزند سے فاروق معظم نے کہا
تم کو ہے حالت اصلی کی حقیقت پہ عبور

تم ہی دے سکتے ہو اسکا مری جانب سے جواب
کہ نہ پکڑے یہ مجھے محشر میں مرا رب غفور

بولے یہ ابن عمر سب سے مخاطب ہو کر
اس میں کچھ والد ماجد کا نہیں جرم قصور

ایک چادر میں جو پورا نہ ہوا ان کا لباس
کر سکی اس کو گوارا نہ مری طبع غیور

اپنے حصہ کی بھی میں نے انہیں چادر دیدی
واقعہ کی یہ حقیقت ہے کہ جو تھی مستور

نکتہ چیں نے یہ کہا اٹھ کے اے فاروق
حکم دے ہمکو کہ اب ہم اسے مانیں گے ضرور

مسجد نبوی کی تعمیر

ہجرت کے بعد آپ نے پہلا کیا جو کام
تعمیر سجدہ گاہ خدائے انام تھا

ایک قطعہ زمین تھا کہ اس کام کے لئے
واقع میں ہر لحاظ سے موزوں مقام تھا

وہ قطعہ زمین تھا یتیموں کی ملک خاص
ہر چند قبر گاہ و گذرگاہ عام تھا

چاہا حضور نے کہ بہ قیمت خرید لیں
ان کے مربیوں سے کہا جو پیام تھا

ایتام نے حضور میں آکر یہ عرض کی
یہ چیز ہی ہے کیا کہ جو یہ اہتمام تھا

یہ ہدیۂ حقیر پذیرا کریں حضور
اللہ اس زمین کا یہ احترام تھا

لیکن حضور نے نہ گوارا کیا اسے
منت کشی سے آپ کو پرہیز تام تھا

احسان اور وہ بھی یتیمان زار کا
بالکل خلاف طبع رسول انام تھا

بارہ ہزار سکہ رائج عطا کئے
یہ تھا وہ خلق جس سے مخالف بھی رام تھا

سامان جو ضروری ہیں تعمیر کے لئے
اب ان کی فکر مشغلہ صبح و شام تھا

مزدور کی تلاش بھی تھی سنگ و گل کی بھی
از بسکہ جلد بننے کا خاص اہتمام تھا

انصار پاک اور مہاجر تھے جس قدر
مزدور بن گئے کہ خدا کا یہ کام تھا

اک روز نفس پاک بھی ان سب کا تھا شریک
جو آب و گل کے شغل میں بھی شاد کام تھا

کندھوں پہ اپنے لاد کے لاتا تھا سنگ و خشت
سینہ غبار خاک سے سب گرد فام تھا

سمجھے کچھ آپ کون تھا ان کا شریک حال
یہ خود وجود پاک رسول انام تھا

جو وجہ آفرینش افلاک و عرش ہے
جس کا کہ جبرئیل بھی ادنے غلام تھا

صلوا علی النبی و اصحابہ الکرام
اس نظم مختصر کا یہ مسک الختام تھا

ایک خاتون کی آزادانہ گستاخی اور رسول اللہ کا حلم و عفو

ہند تھی پردہ نشین حرم بو سفیان
نقب ہند جگر خوار سے جو ہے مشہور

بارگاہ نبوی میں وہ ہوئی جب حاضر
اس ارادہ سے کہ ہو داخل ارباب حضور

عرض کی خدمت اقدس میں کہ اے ختم رسل
دین اسلام ہے مجھکو بدل و جان منظور

آپ ہم پردہ نشینوں سے جو بیعت لیں گے
کون سے کام ہیں جن کا برتنا ہے ضرور

آپ نے لطف و عنایت سے یہ ارشاد کیا
پہلی یہ بات کہ شائبہ شرک سے دور

دوسری یہ کہ نبوت کا ہے لازم اقرار
بولی ان باتوں سے انکار نہیں مجھکو حضور

پھر یہ ارشاد ہوا منع ہے اولاد کا قتل
اس شقاوت سے ہر اک شخص کو بچنا ہے ضرور

عرض کی اس نے کہ اے شمع شبستان رسل
یہ وہ موقع ہے کہ عاجز ہے یہاں فہم و شعور

میں نے اولاد کو پالا تھا بڑی محنت سے
میں انھیں آنکھ میں رکھتی تھی کہ تھے آنکھ کا نور

بدر میں قتل انھیں حضرت والا نے کیا
ہمسے کیا عہد اب اس بات کا لیتے ہیں حضور

اگرچہ یہ سوء ادب تھا غلطی پر مبنی
گرچہ یہ بات بھی خود شیوۂ انصاف سے دور

اسکی اولاد نے خود جنگ میں کی تھی سبقت
لڑکے مارا جائے کوئی تو یہ کس کا ہے قصور

لیکن آزادی افکار تھی ازبسکہ پسند
آپ نے فرط کرم سے اسے رکھا معذور

ہمارا طرز حکومت

کبھی ہم نے بھی کی تھی حکمرانی ان ممالک پر
مگر وہ حکمرانی جس کا سکہ جان و دل پر تھا

قرابت راجگان ہند سے اکبر نے جب چاہی
کہ یہ رشتہ عروس کشور آرائی کا زیور تھا

تو خود فرماں دہ جیپور نے نسبت کی خواہش کی
اگرچہ آپ بھی وہ صاحب دیہیم و افسر تھا

ولی عہد حکومت اور خود شاہنشہ اکبر
گئے انبیر تک جو تخت گاہ ملک و کشور تھا

ادھر راجہ کی نور دیدہ گھر میں حجلہ آرا تھی
ادھر شہزادہ پر چتر عروسی سایہ گستر تھا

دلہن کو گھر سے منزل گاہ تک اس شان سے لائے
کہ کوسوں تک زمیں پر فرش دیبائے مشجر تھا

دلہن کی پالکی خود اپنے کندھوں پر جو لائے تھے
وہ شاہنشاہ اکبر اور جہانگیر ابن اکبر تھا

یہی ہیں وہ شمیم انگیزیاں عطر محبت کی
کہ جن سے بوستان ہند برسوں تک معطر تھا

تمہیں لے دے کے ساری داستاں میں یاد ہے اتنا
کہ عالمگیر ہندو کش تھا ظالم تھا ستمگر تھا

تنزل اسلام کا اصلی سبب

لوگ کہتے ہیں کہ یہ بات ہے اب امر صریح
کہ زمانہ میں کہیں عزت اسلام نہیں

آپ جائیں گے جہاں قوم کو پائینگے ذلیل
اس میں تخصیص عراق و عرب و شام نہیں

یہ بھی ظاہر ہے کہ ہیں مختلف الحال یہ لوگ
کوئی چیز ان میں جو ہو مشترک عام نہیں

ایشیائی ہے اگر یہ تو وہ ہے افریقی
اور کوئی رابطہ نامہ و پیغام نہیں

لالہ رخ یہ ہے تو زنگی و سیہ فام ہے وہ
یہ ہنر ہے وہ موزون و خوش اندام نہیں

اس نے گہوارۂ راحت میں بسر کی ہے عمر
وہ کبھی خوگر آسائش و آرام نہیں

وہ ازل سے ہے کمند افگن و شمشیر نواز
اس کو جز عیش کسی چیز سے کچھ کام نہیں

خان ایوان سے بھی سیری نہیں ہوتی اسکو
اس کو گر نان جویں بھی ہو تو ابرام نہیں

اس نے یورپ کے مدارس میں جو سیکھے ہیں علوم
وہ ابھی ابجد تعلیم سے بھی رام نہیں

اسقدر فرق و تفاوت پہ بھی ہے عام یہ بات
قوم کا دفتر عزت میں کہیں نام نہیں

پس اگر غور سے دیکھو تو بجز مذہب و دین
ہم مسلمانوں میں کوئی صفت عام نہیں

ان اصولوں کی بنا پر یہ نتیجہ ہے صریح
سبب پستی اسلام بجز اسلام نہیں

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لب بام نہیں

غور کرنے کے لئے فکر و تعمق ہے ضرور
منزل خاص ہے یہ راہ گذر عام نہیں

بحث مافیہ میں پہلی غلطی یہ ہے کہ آپ
جس کو اسلام سمجھتے ہیں وہ اسلام نہیں

آپ کھانے کو بنا دیتے ہیں پہلے مسموم
پھر یہ کہتے ہیں غذا موجب اسقام نہیں

اعتقادات میں ہے سب سے مقدم توحید
آپ اس وصف کو ڈھونڈیں تو کہیں نام نہیں

کون ہے شائبہ کفر سے خالی اس وقت
کون ہے جس پہ فریب ہوس خام نہیں

آستانوں کی زیارت کے لئے شد رحال
اس میں کیا شان پرستاری اصنام نہیں

کیجئے مسئلہ شرک نبوت پہ جو غور
کفر میں بھی یہ جہانگیری اوہام نہیں

اب عمل پر جو نظر کیجئے آئے گا نظر
کہ کسی ملک میں پابندی احکام نہیں

اغنیا کی ہے یہ حالت کہ نہیں ہو وہ رئیس
جس کے چہرہ پہ فروغ مے گلفام نہیں

نص قرآن سے مسلمان ہیں بھائی بھائی
اس اخوت میں خصوصیت اعمام نہیں

یاں یہ حالت ہے کہ بھائی کا ہی بھائی دشمن
کونسا گھر ہے جہاں یہ روش عام نہیں

نہ کہیں صدق و دیانت ہی نہ پابندی عہد
دل ہیں ناصاف زبانوں میں جو دشنام نہیں

آیت فاعتبروا پڑھتے ہیں ہر روز مگر
علما کو خبر گردش ایام نہیں

الغرض عام ہے وہ خیر بے دینی ہے
صاف یہ بات ہے دھوکا نہیں ابہام نہیں

ان حقائق کی بنا پر سبب پستی قوم

مذہب یا سیاست

تم کسی قوم کی تاریخ اٹھا کر دیکھو
وہ یہی باتیں ہیں کہ جن پر ہے ترقی کا مدار

یہ کوئی جذبۂ دینی تھا کہ جس نے دم میں
کر دیا ذرہ افسردہ کو ہمرنگ شرار

ہے یہ وہ قوت پر زور کہ جس کی تکرار
سنگ خارا کو بنا دیتی ہے اک مشت غبار

اس کی زد کھا کے لرز جاتی ہے بنیاد زمیں
اس سے ٹکرا کے بکھر جاتے ہیں اوراق دیار

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے بچے
کھیلنے جاتے تھے ایوان کہ کسریٰ میں شکار

وہ الٹ دیتے تھے دنیا کا مرقع دم میں
جنکے ہاتھوں میں رہا کرتی تھی شتروں کی مہار

اس کی برکت تھی کہ صحرائے حجازی کی سموم
بن گئی دہر میں جا کے چمن آرائے بہار

یہ اسی کا تھا کرشمہ کہ عرب کے رہزن
فاش کرنے لگے جبریل امیں کے اسرار

یا کوئی جاذبۂ ملک و وطن تھا جس نے
کر دیئے دم میں قوائے عملی سب بیکار

ہے اسی مے سے یہ سرمستی احرار وطن
ہے اسی نشہ سے یہ گرمی ہنگامۂ کار

آپ دونوں سے کئے دیتے ہیں ہمکو محروم
نہ سیاست ہے نہ ناموس شریعت کا وقار

مدتوں بحث سیاست کی اجازت ہی نہ تھی
کہ وفاداری مسلم کا تھا یہ خاص وقار

اب اجازت ہے مگر دائرہ بحث یہ ہے
کہ گورنمنٹ سے اس بات کے ہوں عرض گزار

ہم کو پامال کئے دیتے ہیں ابنائے وطن
ڈر ہے پس جائے نہ یہ فرقۂ اخلاص شعار

یہ بھی اک گونہ شکایت ہے غلاموں کو ضرور
کہ مناصب میں ہے کم حلقہ بگوشوں کا شمار

اب رہا جذبۂ دینی تو وہ اس طرح مٹا
کہ ہمیں آپ ہی آتا ہے اب اس نام سے عار

وضع میں طرز میں اخلاق میں سیرت میں کہیں
نظر آتے نہیں کچھ حرمت دین کے آثار

آپ نے ہمکو سکھائے ہیں جو یورپ کے علوم
اس ضرورت سے نہیں قوم کو ہرگز انکار

بحث یہ ہے کہ وہ اس طرز سے بھی ممکن تھا
کہ نہ گھٹتا کبھی ناموس شریعت کا وقار

ہمنے پہلے بھی تو اغیار کے سیکھے تھے علوم
ہمنے پہلے بھی تو اس نشہ کا دیکھا ہے خمار

نام لیتے تھے ارسطو کا ادب سے ہر چند
تھے فلاطون الٰہی کے بھی گوش گزار

جانتے تھے مگر اس بات کو بھی اہل نظر
کہ حریفوں کو نہیں انجمن خاص میں بار

یعنی یہ بادۂ عرفان کے نہیں ذوق شناس
بزم اسرار کے یہ لوگ نہیں بادہ گسار

آج ہر بات میں ہے شان تفرنج پیدا
آج ہر رنگ میں یورپ کے نمایاں ہیں شعار

ہیں شریعت کے مسائل بھی وہیں تک مقبول
کہ جہاں تک انہیں معقول بتا دیں اغیار

ہجرت نبوی

جبکہ آمادۂ خوں ہو گئے کفار قریش
لاجرم سرور عالم نے کیا عزم سفر

کوئی نوکر تھا نہ خادم نہ برادر نہ عزیز
گھر سے نکلے بھی تو اس شان سے نکلے سرور

اک فقط حضرت ابوبکر تھے ہمراہ رکاب
انکی اخلاق شعاری تھی جو منظور نظر

رات بھر چلتے تھے دن کو کہیں چھپ رہتے تھے
کہ کہیں دیکھ نہ پائے کوئی آمادۂ شر

تیرے لطف و کرم عام نے دیدی یہ ندا — کوئی مجرم ہے نہ قیدی ہے نہ زندانی ہے
تو نے اک آن میں گرتا ہوا گھر تھام لیا — بازوؤں میں یہ ترے زور جہانبانی ہے
بات رکھ لی تری تقریر نے احکام کی بھی — گرچہ لازم انہیں اظہار پشیمانی ہے
تیرے دربار میں پہنچیں گے جو اوراق سپاس — اُن میں یہ پیشکش شبلی نعمانی ہے
گرچہ مدح امرا میں نے نہیں کی ہے کبھی — شکر احسان مگر اک فطرت انسانی ہے

اسلام کا نظام حکومت

جب ولی عہد ہوا تخت حکومت کا یزید — عامل یثرب و بطحا کو یہ پہنچے احکام
کہ ولی عہد کا بھی اب سے پڑھے نام ضرور — خطبہ پڑھتا ہے حریم نبوی میں جو امام
وقت آیا تو چڑھا پایہ ممبر پہ خطیب — اور کہا یہ کہ یزید اب ہے امیر اسلام
یہ نئی بات نہیں ہے کہ ابوبکر و عمرؓ — جانشین کر گئے جب موت کا پہنچا پیغام
جھوٹ ہے یہ کہ ہے یہ سنت ابوبکر و عمرؓ — سر بسر کذب ہے یہ اے خلف نسل لئام
اپنے بیٹے کو بنایا تھا خلیفہ کس نے — ایسی بدعت کا نہیں مذہب اسلام میں نام
یہ طریقہ متوارث ہے تو کفار میں ہے — ورنہ اسلام ہے اک مجلس شوریٰ کا نظام
شان اسلام ہے شخصیت ذاتی سے بعید — شرع میں سلطنت خاص ہے ممنوع و حرام
اس سے بھی قطع نظر نسل عرب ہیں ہم لوگ — وہ کوئی اور ہیں جو ہوتے ہیں شاہوں کے غلام

ایثار کی اعلیٰ ترین نظیر

کافروں نے یہ کیا جنگ احد میں مشہور — کہ پیمبر بھی ہوئے کشتۂ شمشیر دو دم
ہو کے مشہور مدینے میں پہنچی یہ خبر — ہر گلی کوچہ تھا ماتم کدۂ حسرت و غم
ہو کے بیتاب گھروں سے نکل آئے باہر — کودک و پیر و جوان و خدم و خیل و حشم
وہ بھی نکلیں کہ جو تھیں پردہ نشینان عفاف — جن میں تھیں بیدہ کہ بھی بازید و دم
ایک خاتون کہ انصار نکو نام سے تھیں — سخت مضطر تھیں نہ تھی ہوش و حواس انکے بہم

موقع جنگ پہ پہنچیں تو یہ لوگوں نے کہا
کیا کہیں تجھ سے کہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں ہم

تیرے بھائی نے لڑائی میں شہادت پائی
تیرے والد بھی ہوئے کشتۂ شمشیر ستم

سب سے بڑھکر یہ کہ شوہر بھی ہوا تیرا شہید
گھر کا گھر صاف ہوا ٹوٹ پڑا کوہِ الم

اُس عفیفہ نے یہ سب سن کے کہا تو یہ کہا
یہ تو بتلاؤ کہ کیسے ہیں شہنشاہ امم

سب نے دی اُسکو بشارت کہ سلامت ہیں حضور
گرچہ زخمی ہیں سر و سینہ و پہلو و شکم

بڑھ کے اُسنے رُخ اقدس کو جو دیکھا تو کہا
تو سلامت ہے تو پھر ہیچ ہیں سب رنج و الم

میں بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا
اے شہ دیں ترے ہوتے ہوئے کیا چیز ہیں ہم

منکر بے بودن و ہم رنگ مستاں زیستن

معترض ہیں مجھ پہ میرے مہربانان قدیم
جرم یہ ہے میں نے کیوں چھوڑا وہ آئین کہن

میں نے کیوں لکھے مضامین سیاست پے بہ پے
کیوں نہ کی تقلید طرز رہنمایان زمن؟

کانگرس سے مجھکو اظہار براءت کیوں نہیں
کیوں حقوق ملک میں ہوں ہندو و مسلم ہم سخن

خیر میں تو شامت اعمال سے جو ہوں سو ہوں
آپ تو فرمائیے کیوں آپنے بدلا چلن

آپنے شملہ میں جاکے کی بھی تھی جو کچھ گفتگو
ماحصل اس کا فقط یہ تھا پس از تمہید فن

سعی بارز سے ملیں جب ہندوؤں کو کچھ حقوق
اس میں کچھ حصہ ملے ہم کو بھی بہر [illegible]

لیکن اب تو آپ کی بھی کھلتی جاتی ہے زبان
آپ بھی اب تو اڑاتے ہیں وہی طرز سخن

اب تو مسلم لیگ کو بھی خواب آتے ہیں نظر
اب تو ہے کچھ اور طرز نغمۂ مرغ چمن

ملک پر اپنی حکومت چاہتے ہیں آپ بھی
تھا یہی تو منتہائے فکر یاران وطن

آپنے بھی ابتو نصب العین رکھا ہے وہی
کانگرس کا ابتدا سے ہے جو موضوع سخن

آپ بھی تو جادۂ (ریّہ) سے اب ہیں منحرف
ابتو اوراق وفا پر آپ کے بھی ہے شکن

جب یہ حالت ہے تو پھر میرے ہو کیوں خشم و عتاب
منکر می بودن و ہم رنگ مستاں زیستن

احرار قوم اور طفل سیاست

یہ اعتراض آپ کا بیشک صحیح ہے
احرار قوم میں ہیں بہت خامیاں ابھی

چلتے ہیں تھوڑی دور ہر اک راہرو کے ساتھ
گم گشتہ طریق ہے یہ کارواں ابھی

زود اعتقادیاں ہیں تلون ہے وہم ہے
ہو جاتے ہیں ہر ایک سے یہ بدگماں ابھی

دل میں نہ عزم ہے نہ ارادوں میں ہے ثبات
جھیلے نہیں ہیں معرکۂ امتحاں ابھی

بے اعتدالیاں ہیں ادائے کلام میں
باہر ہے اختیار سے اُن کے زباں ابھی

ہر دم ہیں گو مسائل ملکی زبان پر؟
ان میں سے ایک بھی تو نہیں نکتہ داں ابھی

یہ سب بجا درست مگر سچ جو پوچھئے
جو کچھ کہ ہے یہ ہے اثر رفتگاں ابھی

یہ ہے اسی سیاست پارینہ کا اثر
گو شمع کچھ بجھی ہے مگر ہے دھواں ابھی

موزوں نہیں ہے جنبش اعضا تو کیا عجب
شب کے خمار ہیں یہ انگڑائیاں ابھی

چلنے میں لڑکھڑاتے ہیں اک اک قدم پہ پاؤں
چھوٹے ہیں قید سخت سے یہ سخت جاں ابھی

بیکار کر دیے تھے جو خود بازوئے عمل
گو کھینچتے ہیں پر نہیں کھنچتی کماں ابھی

آئے کہاں سے قوتِ رفتار پاؤں میں
کچھ بیڑیاں ہیں پاؤں کی بند گراں ابھی

غوں غاں ہے کچھ مباحث ملکی نہیں ہیں یہ
اک طفل ہے سیاست ہندوستاں ابھی

عدل جہانگیری

قصر شاہی میں کہ ممکن نہیں غیروں کا گذر
ایک دن نور جہاں بام پہ تھی جلوہ فگن

کوئی شامت زدہ رہ گیر اُدھر آنکلا
گرچہ تھی قصر میں ہر چار طرف سے قدغن

غیرت حسن سے بیگم نے طمنچہ مارا
خاک پر ڈھیر تھا اک کشتۂ بے گور و کفن

ساتھ ہی شاہ جہانگیر کو پہنچی جو خبر
غیظ میں آ گئے ابروئے عدالت پہ شکن

حکم بھیجا کہ کنیزان شبستان شہی
جا کے پوچھ آئیں کہ سچ یا کہ غلط ہے یہ سخن

نخوتِ حُسن سے بیگم نے بصد ناز کہا
میری جانب سے کرو عرض بہ آئین حسن

ہاں مجھے واقعۂ قتل سے انکار نہیں
مجھ سے ناموس حیا نے یہ کہا تھا کہ بزن

اس کی گستاخ نگاہی نے کیا اسکو ہلاک
کشور حُسن میں جاری ہے یہی شرع کہن

مفتیِ دیں سے جہانگیر نے فتویٰ پوچھا
کہ شریعت میں کسی کو نہیں کچھ جائے سخن

مفتی دیں نے بے خوف و خطر صاف کہا — شرع کہتی ہے کہ قاتل کی اڑا دو گردن
لوگ دربار میں اس حکم سے تھرّا اٹھے — پر جہانگیر کی ابرو پہ نہ بل تھا نہ شکن
ترکنوں کو یہ دیا حکم کہ اندر جاکر — پہلے بیگم کو کریں بستۂ زنجیر و رسن
پھر اسی طرح اُسے کھینچ کے باہر لائیں — اور جلاد کو دیں حکم کہ ہاں تیغ بزن
یہ وہی نورجہاں ہے کہ حقیقت میں یہی — تھی جہانگیر کے پردہ میں شہنشاہِ زمن
اسکی پیشانیِ نازک پہ جو پڑتی تھی گرہ — جا کے بن جاتی تھی اوراقِ حکومت پہ شکن
اب نہ وہ نورجہاں ہے نہ وہ انداز و غرور — نہ وہ غمزے ہیں نہ وہ عربدۂ صبر شکن
ایک مجرم ہے کہ جس کا کوئی حامی نہ شفیع — ایک بیکس ہے کہ جس کا نہ کوئی گھر نہ وطن
خدمتِ شاہ میں بیگم نے یہ بھیجا پیغام — خوں بہا بھی تو شریعت میں ہے اک امرِ حسن
مفتی شرع سے پھر شاہ نے فتوٰی پوچھا — بولے جائز ہے رضامند ہوں گر بچہ و زن
وارثوں کو جو دیئے لاکھ درہم بیگم نے — سب نے دربار میں کی عرض کہ اے شاہِ زمن
ہم کو مقتول کا لینا نہیں منظور قصاص — قتل کا حکم جو رک جائے تو ہے مستحسن
ہو چکا جبکہ شہنشاہ کو پورا یقین — کہ نہیں اس میں کوئی شائبۂ حیلہ و فن
اُٹھ کے دربار سے آہستہ چلا سوئے حرم — تھی جہاں نورجہاں معتکفِ بیتِ حزن
دفعۃً پاؤں پہ بیگم کے گرا اور یہ کہا — تو اگر کشتہ شدی آہ چہ میکردم من

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

اک روز جرمنوں نے کہا از رہ غرور — آساں نہیں ہے فتح تو دشوار بھی نہیں
برطانیہ کی فوج ہے دس لاکھ سے بھی کم — اُس پر یہ لطف ہے کہ وہ تیار بھی نہیں
باقی رہا فرانس تو وہ رند لم یزل — آئین شناسِ شیوۂ پیکار بھی نہیں
میں نے کہا غلط ہے ترا دعوائے غرور — دیوانہ تو نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں
ہم لوگ اہل ہند ہیں جرمن سے دس گنے — تجھ کو تمیز اندک و بسیار بھی نہیں
اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا — لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

تجزیہ و تعزیہ

ہمیں جس چیز نے کھویا وہ تفریق و تجزی تھی
یہی وہ شے ہے جو بربادیٔ مسلم کے درپے ہے

مگر اب تو در و دیوار تک اس کا اثر پہنچا
وضو خانہ الگ اک چیز ہے مسجد الگ شے ہے

جنگ زرگری

معائنہ ندوۃ العلماء

کیا لطف ہے کہ حامی ندوہ ہیں اب وہ لوگ
جنکو کہ اس کے نام سے بھی اجتناب تھا

وہ لوگ جن کی رائے میں یہ ندوہ غریب
ایک بیہودہ خیال تھا یا ایک خواب تھا

وہ لوگ جن کی رائے میں تعلیم کا وہ طرز
اعلانِ جنگ سید عالی جناب تھا

وہ لوگ جن کی رائے میں یہ ندوۂ حقیر
تعلیم مغربی کے لئے سدِّ باب تھا

وہ لوگ جن کی رائے میں ندوہ کا وہ طلسم
سرتا قدم فریب وہ شیخ و شاب تھا

ندوہ کا نام سنکے جو کھاتے تھے پیچ و تاب
جنکے لئے وہ موجب رنج و عذاب تھا

حیرت یہ ہے کہ مجمع دہلی میں یہ گروہ
ندوہ کے حل و عقد کا نائب مناب تھا

ندوہ پہ حرف گیر جو ہوتا تھا کوئی شخص
وہ اس گروہ پاک کا وقف عتاب تھا

ندوہ میں کوئی نقص بتاتا تھا گر کوئی
اُن کی طرف سے ایک کا سو سو جواب تھا

سیارگان چرخ علی گڈھ تھے پیش پیش
جن میں کوئی قمر تھا کوئی آفتاب تھا

حیرت میں تھے تمام تماشائیان بزم
یعنی یہ کیا طلسم تھا۔ کیا انقلاب تھا

ندوہ کہاں کہاں وہ علی گڈھ کی انجمن
اُس بزم قدس میں یہ کہاں باریاب تھا

کس دن کی دوستی ہے یہ کب کا ہے ارتباط
یوں کب وہ مورد کرم بے حساب تھا

شایان آفرین ہے وہی ندوہ غریب
جو مدتوں سے مورد خشم و عتاب تھا

سرشار ہے حمایت ندوہ میں وہ گروہ
جسکو کہ اُسکے ذکر سے بھی اجتناب تھا

یہ قصۂ لطیف ابھی ناتمام ہے
جو کچھ بیان ہوا ہے وہ آغاز باب تھا

آتا ہے اب معائنہ ندوہ کا وہ جشن | جو ختم سراع مجمع تصفت شعار ہے
جن میں سے کچھ شریک نزاع قدیم ہیں | کچھ ابتدا سے بانی آغاز کار ہے
جن میں سے کوئی محکمہ راز کا شریک | مضمون آفتاب کا مضمون نگار ہے
خود کوزہ گر ہی خود گلِ کوزہ بھی ہے وہی | جو صلح ہے وہی روش کارزار ہے
کیا شان ایزدی ہے وہی ندوہ علوم | جو مدعیِ رہبری روزگار ہے
جو مایۂ امید ہے نسل جدید کا | جو کاروانِ رفتہ کی اب یادگار ہے
جن پر یہ حسنِ ظن ہے کہ یہ مجمع کرام | جس کا کہ مصر و شام میں اب تک وقار ہے
آیا تھا جس کے شوق میں وہ فاضل عرب | جس کا مرقع ادبی المنار ہے
چلتے ہیں جس کے نقش قدم پر حریف بھی | گو اعتراف حق سے ابھی اُنکو عار ہے
جس نے خطابت عربی کو دیا رواج | جو فنِ جرح و نقد کا آمرزگار ہے
جس نے بدل دیا روش و شیوۂ قدیم | جو رہبر طریقہ اصلاح کار ہے
آتے ہیں اُس کی جا پہ کونا آشنائے فن | یہ انقلاب گردش لیل و نہار ہے
تعلیم مشرقی سے نہیں جنکو کچھ غرض | وہ اب نہ اُن کا ناز کش اقتدار ہے
ارباب ریش و جبۂ اقدس کا وہ گروہ | اب چند منشیوں کا اطاعت گذار ہے
یہ داستان درد یہ افسانۂ الم | ندوہ کا نوحہ بہ نفس اختصار ہے

بربادی خانماں

وہ برادر کہ مرا یوسف کنعانی تھا | وہ مجموعۂ ہر خوبی انسانی تھا
وہ جو گھر بھر کے لئے رحمت یزدانی تھا | قوت دست و دل شبلی نعمانی تھا
بل اسی کا یہ مرے خامۂ پُر زور میں تھا | جوش اسی کا تھا جو میرے سر پر شور میں تھا
ہم سے بیکار و نکو اک قوت عامل تھا وہی | مایۂ عزت اجداد کا حامل تھا وہی
مسند والد مرحوم کے قابل تھا وہی | یوں تو سب اور بھی اعضا ہیں مگر دل تھا وہی
اب وہ مجموعۂ اخلاق کہاں سے لاؤں | ہائے افسوس میں اسحٰق کہاں سے لاؤں

جب کیا والد مرحوم نے دنیا سے سفر
بن گیا آپ اکیلا وہ ہر آفت میں سپر
گھر کا گھر تھا ہدف ناوک صد گونہ خطر
تیر جو آئے گیا آپ وہ اُن کی زد پر
خود گرفتار رہا۔ تاکہ میں آزاد رہوں
اُسنے غم اسلئے کھائے تھے کہ میں شاد رہوں

اس کا صدقہ تھا کہ ہر طرح سے تھا میں بے غم
گھر کے جھگڑوں سے نہ کچھ فکر نہ کچھ رنج و الم
امن و راحت کے جو سامان تھے ہر طرح بہم
میں تھا اور شغلۂ نامہ و قرطاس و قلم
اسکے صدقہ سے تھی میری سخن آرائی بھی
اس کا ممنون تھا مرا گوشۂ تنہائی بھی

تازہ تھا دل پہ مرے مہدی مرحوم کا داغ
کہ مرا قوت بازو تھا مرا چشم و چراغ
اُسکو جنت میں جو خالق نے دیا کنج فراغ
میں یہ کہتا تھا کہ اب بھی ہے تر و تازہ یہ باغ
یعنی وہ آئینہ خوبی و اخلاق تو ہے
اُٹھ گیا مہدی مرحوم تو اسحاق تو ہے

آج افسوس کہ وہ نیر تاباں بھی گیا
میری جمعیت خاطر کا وہ ساماں بھی گیا
اب وہ شیرازۂ اوراق پریشاں بھی گیا
عتبۂ والد مرحوم کا درباں بھی گیا
گلۂ خوبی تقدیر رہا جاتا ہے
نوجواں جاتے ہیں اور پیر رہا جاتا ہے

تجھکو اے خاک لحد آج اجل نے سونپی
وہ امانت جو میرے والد مرحوم کی تھی
بسکہ فطرت میں ودیعت تھی نفاست طلبی
نازپروردۂ نعمت تھا پہ ایں سادہ وشی
دیکھنا اُڑکے غبار آئے نہ دامن پہ کہیں
گرد پڑ جائے نہ اُس عارض روشن پہ کہیں

اسکے اخلاق کھٹک جاتے ہیں دل میں ہر بار
وہ شکر ریز تبسم وہ متانت وہ وقار
وہ وفا کیشی جناب وہ مردانہ شعار
وہ دل آویزی خو وہ نگہ الفت یار
صحبت رنج بھی اک لطف سے کٹ جاتی تھی
اُسکی ابرو پہ شکن آکے پلٹ جاتی تھی

حق نے کی تھی کرم و لطف سے اُسکی تخمیر
خوبی خلق و تواضع میں نہ تھا اُس کا نظیر
بات جو کہتا تھا ہوتی تھی وہ پتھر کی لکیر
اُسکی ایک ذات تھی مجموعۂ اوصاف کثیر
بسکہ خوش طبع بھی تھا صاحب تدبیر بھی تھا
سچ تو یہ ہے کہ وہ نوخیز بھی تھا پیر بھی تھا

اُسکو شہرت طلبی سے کبھی کچھ کام نہ تھا
وہ گرفتار کمند ہوس خام نہ تھا
اُسکی ہر بات میں ایک لطف تھا ابرام نہ تھا
وہ کبھی مدعیٔ رہبری عام نہ تھا

اُسکو مطلوب کبھی گرمیِ بازار نہ تھی
اُسکی جو بات تھی کردار تھی گفتار نہ تھی

اُسکو معلوم جو تھا وسعت تعلیم کا راز
اُسنے دیکھے تھے جو منزل کے نشیب اور فراز

اُس نے یہ کام نئی طرح کیا تھا آغاز
مگر افسوس کہ تھا راہ میں خش و تنگ و تاز

کوششوں کے جو نتیجے تھے اُسے مل نہ سکے
ہائے وہ پھول کہ پھولے تھے مگر کھل نہ سکے

آہ بھائی ترے مرنے کے تھے یہ بھی کوئی دن
وہ ترا جوش شباب اور وہ بچے کمسن

مسند حلقۂ احباب ہے سونی تجھ بن
تو ہی تھا اب خلف صدر نشینان مُڈن

دن جب آئے کہ تجھے رہبر جمہور کہوں
چرخ کا مجھ سے تقاضہ ہو کہ مغفور کہوں

یہ بھی اے جان برادر کوئی جانیکا ہے طور
اپنے بچوں کی نہ کچھ فکر نہ تدبیر نہ غور

ابھی آنے بھی نہ پایا تھا ترے اوج کا دور
کیا ہوا تجکو کہ تو ہو گیا کچھ اور سے اور

چھوڑکر بچوں کو بے صبر و سکوں جاتا ہے
کوئی جاتا ہے جو دنیا سے تو یوں دنیا سے جاتا ہے

آہ اے مرگ کسی شے کی نہیں تجھکو تمیز
تیری نظروں میں برابر ہیں گہر اور پشیز

میں نے مانا ترے نزدیک نہ تھا وہ کوئی چیز
رحم کرنا تھا کہ چھوڑے ہیں کئی اُسنے عزیز

لاڈلے ہیں کہ کسی اور کے بس کے بھی نہیں
اسکے بچے ابھی سات آٹھ برس کے بھی نہیں

اے خدا شبلی دلخستہ باایں موئے سفید
لیکے آیا ہے تری درگہ عالی میں امید

مرنے والے کو نجات ابدی کی ہو نوید
خوش و خورم رہے چھوٹا مرا بھائی یہ حمید

کیا لکھوں قصۂ غم تاب رقم بھی تو نہیں
اب مرے خامہ پہ زور ہیں دم بھی تو نہیں

خطاب باحرار

یہ جو لیڈر شکنی آپ نے کی خوب کیا
قوم اب طوق غلامی سے ہے بالکل آزاد

لوگ اب حلقۂ تقلید میں ہونگے نہ اسیر
ٹوٹ جائے گا طلسم اثر استبداد

ہاں مگر ایک گذارش بھی ہے یہ قابل غور
یہ تو فرمائے اس باب میں ہی کیا ارشاد

بتکدے آپنے ڈھائے بہت اچھا لیکن
شرط یہ ہے کہ حرم کی بھی رکھیے بنیاد

آبلہ قابل نشتر تھا۔ یہ مانا لیکن
دیکھیے یہ۔ کہ کہیں زخم میں آئے نہ فساد

آپ کہتے ہیں کہ وہ مجمع ناجائز تھا — خیمہ جو کچھ تھا مگر جمع تو تھے کچھ آزاد
اب کوئی مرکز قومی ہے نہ توحید خیال — نہ کوئی جادۂ مقصد ہے نہ کچھ توشہ وزاد
خوف یہ ہے کہ بکھر جائے نہ شیرازۂ قوم — خوف یہ ہے کہ یہ ویرانہ نہ ہو پھر آباد
ذرّے جس طرح سے ہو جاتے ہیں اڑ اڑ کر فنا — یوں ہی ہو جائیگی پھر قوم بھی آخر برباد
نکتہ چینی سے فقط کام نہیں چل سکتا — یہ بھی لازم ہے کہ کچھ کام بھی ہو پیش نہاد
بھاپ پُرزور ہے لیکن کوئی انجن بھی تو ہو — کام کیا آئیگا نشتر جو نہ ہوگا فصّاد

آنحضرت صلعم کی غربا نوازی

افلاس سے تھا سیدۂ پاک کا یہ حال — گھر میں کوئی کنیز نہ کوئی غلام تھا
گھس گھس گئی تھیں ہاتھ کی دونوں ہتیلیاں — چکی کے پیسنے کا جو دن رات کام تھا
سینہ پہ مشک بھر کے جو لاتی تھیں بار بار — گو نور سے بھرا تھا مگر نیل فام تھا
اٹ جاتا تھا لباس مبارک غبار سے — جھاڑو کا مشغلہ بھی جو ہر صبح و شام تھا
آخر گئیں جناب رسول خدا کے پاس — یہ بھی کچھ اتفاق کہ واں اذن عام تھا
محرم نہ تھے جو لوگ تو کچھ کر سکیں نہ عرض — واپس گئیں کہ پاس حیا کا مقام تھا
پھر جب گئیں دوبارہ تو پوچھا حضورؐ نے — کل کس لئے تم آئی تھیں کیا خاص کام تھا
غیرت یہ تھی کہ اب بھی نہ کچھ منہ سے کر سکیں — حیدرؓ نے انکے منہ سے کہا جو پیام تھا
ارشاد یہ ہوا کہ غریبان بے وطن — جن کا کہ صفۂ نبوی میں قیام تھا
ہیں ان کے بندوبست سے فارغ نہیں ہنوز — ہر چند اس میں خاص مجھے اہتمام تھا
جو جو مصیبتیں کہ اب اُن پر گذرتی ہیں — میں اس کا ذمہ وار ہوں میرا یہ کام تھا
کچھ تم سے بھی زیادہ مقدم ہے انکا حق — جنکو کہ بھوک پیاس سے سونا حرام تھا
خاموش ہو کے سیدۂ پاک رہ گئیں — جرأت نہ کر سکیں کہ ادب کا مقام تھا
یوں کی بسر اہلبیت مطہرؐ نے زندگی — یہ ماجرائے دختر خیر الانام تھا

مولانا شبلیؒ کی زندگی کے مختصر اور جامع حالات و علمی ترقی

(مولانا عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی کے قلم سے)

مولانا شبلی کی وفات سے مسلمانوں میں جو کمی ہوگئی ہے اس کا پورا ہونا بہت دشوار ہے۔ ہندوستان میں بہت سے علماء و فضلا پیدا ہونگے بہت انگریزی کے قابل و متبحر پیدا ہونگے بہت سے شعراء بہت سے مصنف پیدا ہوں گے مگر شبلی پیدا ہوں ممکن نہیں وہ اس عالم سے چلے گئے اور اُس جنت میں پہنچے جہاں سے کوئی واپس نہیں آتا کسی کی یاد میں نوحہ و بکا کرنا اسے ستانا ہے لہذا ہم اپنی آہ و زاری سے اُنکی وہاں کی مسرت ابدی و فارغ البالی میں فرق نہ ڈالتے اور انہیں نہ ستاتے مگر کیا کریں کہ شبلی ہنوز نہیں نہ دنیا میں کوئی نظیر چھوڑ گئے ہیں اور نہ آپکے سے محقق گراں پایہ کے پیدا ہونے کی امید ہے اور یہ ایسا غم جانکاہ ہے کہ ہمیں نہ آج ہی چین سے بیٹھنے دیگا نہ کبھی آیندہ۔

مولانا کے علمی کارناموں کا آغاز ہماری آنکھوں کے سامنے ہوا ہمارے ہی سامنے اُنھوں نے ترقی کی شہرت حاصل کی اور ہماری ہی آنکھوں کے سامنے دنیا سے سدھار گئے ہم سے اُن سے طالب علمی کے زمانہ سے ملاقات تھی اُن کا سنہ ولادت تو ہمیں یاد نہیں مگر اتنا جانتے ہیں کہ ہم اور وہ قریب العمر ہیں۔ مولانا کے ہجوم امراض قبض و بواسیر کی تکالیف اور معدہ کی کمزوری نے بہت ہی ضعیف اور ناتوان بنا دیا تھا جس کی وجہ سے اُن کی عمر اصل سے زیادہ معلوم ہوتی تھی۔ اُن کے بیان کے مطابق اُن کی عمر ۵۵-۵۶ سال سے زیادہ نہ تھی۔ ابتدائے عمر میں درسیات و کتب معقول انہوں نے اپنے وطن میں مولوی محمد فاروق صاحب چریاکوٹی سے پڑھیں۔ چند روز بحیثیت طالب علم جونپور کے مدرسہ حنفیہ میں رہے غالباً مولوی ہدایت اللہ خاں صاحب مرحوم سے تحصیل کی، آخر میں ادب عربی کے شائق بن کے لاہور پہونچے اور مولانا فیض الحسن صاحب سے پرائیویٹ طور پر ادب کی کتابیں پڑھیں۔ شاید اس وجہ سے پنجاب کے اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ انہوں نے پنجاب یونیورسٹی کی ڈگریاں مولوی عالم اور مولوی فاضل حاصل کیں مگر یہ بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے یہ ہمیں نہیں معلوم کہ مولانا نے حدیث

کی کتابیں پڑھیں یا نہ پڑھیں تو کہاں اور کس سے پڑھیں۔

تحصیل علم کے بعد مولٰنا نے ارادہ کیا کہ قانونی پیشہ اختیار کرکے مختاری ووکالت کی سندیں حاصل کریں جس غرض کے لئے چند روز تک ضلع بستی میں قیام کیا مگر حالت اور رجحان طبیعت سے آشکارا ہو رہا تھا کہ جس میدان میں فروغ پانیکے لئے وہ پیدا کئے گئے تھے وہ میدان یہ نہیں ہے چنانچہ اُن دنوں اگرچہ مقدمہ فہمی اور عدالتی کارروائیوں سے کام رہتا تھا مگر اُن کا مشغلہ علمی مباحث اور عالمانہ تصانیف ہی تھا۔

مولانا نے جن درسگاہوں میں تعلیم پائی تھی اور جن اساتذہ سے اُن کی صحبت نے ابتدا ہی میں اُنہیں سخت حنفی بنا دیا تھا اسی شوق میں انہوں نے اپنے نام کے ساتھ نعمانی کا لقب لکھنا شروع کیا۔ جس کی وجہ سے بعض ناواقف لوگوں نے انہیں غلطی میں پڑکر نسباً نعمانی یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ کوفی کی نسل میں خیال کرلیا مگر اس کی کوئی اصلیت وحقیقت نہیں ہے وہ متشدد حنفی تھے اور حنفیت میں اپنے آپکو اوروں سے ممتاز ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اسی جوش کا تقاضا یہ بھی تھا کہ امام صاحبؒ کی سوانح عمری اُنہوں نے **سیرۃ النعمان** لکھی تو امام المحدثین محمد بن اسمعیل بخاری پر جابجا حملے کئے اور علی العموم گروہ محدثین کے اصول سے اختلاف کیا کرتے یہاں تک کہ امام ابوالحسن اشعری بھی محض اتباع حدیث کے باعث اُن کے مورد سہام بن گئے۔ اُن دنوں مولوی ابوالحسنات محمد عبدالحی فرنگی محلی کی درسگاہ کی شہرت تھی جنکے فیض علمی سے سارا ہندوستان بلکہ ممالک دور دراز کے لوگ بھی بہرہ یاب ہو رہے تھے مولٰنا عبدالحی صاحب کی یہ شان تھی کہ بخلاف تمام موجودہ علماء کے ائمہ حنفیہ سلف میں سے جسکے قول کو اہل حدیث مذہب سے قریب تر پاتے اختیار کرلیتے۔ اور بہت سے مسائل میں اہل حدیث کے ہم خیال تھے چنانچہ نماز میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنے کے بارے میں انہوں نے امام محمد کا مذہب اختیار کرلیا تھا اور سورہ فاتحہ پڑھنا مستحب بتاتے تھے، یہ امر مولٰنا شبلی کو سخت ناگوار ہوا۔ چنانچہ اُن کی تردید میں ایک عربی رسالہ لکھکر شائع کردیا جس کا نام (اسکات المعتدی) تھا اور جیسے ہی اسکی اشاعت ہوئی اس کی تردید میں مولوی عبدالحی صاحب مرحوم کے فاضل شاگردوں سے مولوی نور محمد صاحب ملتانی اور ملا شعیب نے اپنے اپنے رسالے

شائع کئے جن میں علاوہ نفس مسئلہ کے ادبی غلطیاں بھی نکالیں تھیں۔

مولانا انہی بحثوں میں پڑے ہوئے تھے کہ علی گڈھ کالج کو عربی کے ایک اچھے ادیب اور فاضل مدرس کی ضرورت ہوئی انہوں نے مولوی فیض الحسن صاحب کی تصدیق وسفارش سے درخواست بھیجی سید صاحب نے مولانا کی درخواست کو قبول کرلیا چنانچہ مولانا بستی اور وہاں کے قانونی مشاغل کو چھوڑکر لکھنؤ ہوتے ہوئے علی گڈھ گئے میں اس وقت دار وغہ حیدر بخش کی مسجد میں ان سے ملا تھا اور ان کے چہرہ سے محسوس کرتا تھا کہ یہاں کے طلبہ میں سے ہر ایک کو وہ وحشت وبدگمانی کی نظر سے دیکھتے تھے مگر باوجود اس وحشت کے طلبہ ہی میں تھے اس لئے کہ اس وقت تک پبلک سے اُن کو سروکار نہ تھا۔

علی گڈھ میں سید صاحب نے اُنہیں اپنی کوٹھی کے احاطے کے اندر ایک چھوٹے سے مکان میں جگہ دی جو سب سے الگ بالکل باہم اور بے ہمہ تھا اور ایک خاموش مقام تھا ان میں جستجو وتحقیق کا سچا مذاق دیکھکر سید صاحب نے اُن سے ربط وضبط بڑھایا اکثر کھانا ایک ساتھ کھاتے اور روزانہ بلاناغہ مولانا اور سید صاحب میں گھنٹوں صحبت رہتی۔

سید صاحب ہمیشہ اعتقادی وکلامی مسائل اور مورخانہ تحقیق کے غور وخوض میں رہتے اور تحقیق وتدقیق کے لئے اُنہیں اکثر حدیث وفقہ وتاریخ وسیر کی کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت پڑتی اس کام کو اُنہوں نے مولانا شبلی سے لینا شروع کردیا۔ مولانا شبلی نے اس خدمت کو ایسی خوبی اور قابلیت سے انجام دیا کہ جسقدر سید صاحب کی دقیقہ رسی اور وسعت نظر کے مولانا شبلی قائل ہوتے جاتے تھے اس سے زیادہ سید صاحب اُن کی جستجو اور جلب روایات کے معتقد ہو گئے تھے۔ اس زمانہ میں مجھے بارہا مولانا شبلی کے پاس جاکے ٹھہرنے اور اُن کے ذریعہ سے خود سید صاحب کا مہمان بن جانے اور دونوں کے ساتھ ہفتوں کھانا کھانے اور شریک صحبت رہنے کا موقع ملا۔ مولانا سے اور مجھ سے حد درجہ کی بے تکلفی تھی اور میں اس بات کو ہر صحبت میں محسوس کرتا تھا کہ وہ اور سید صاحب دونوں کسقدر ایک دوسرے کے علمی کمالات کے معترف ہوتے جاتے

ہیں۔ سید صاحب کے اعتراف کی تو یہ حالت تھی کہ کوئی کام بغیر اُنکے مشورہ کے نہ کرتے اور مولانا شبلی کے اعتراف کا یہ ثبوت ہے کہ میرے علم میں اُن کی سب سے پہلی نظم جو اُن دنوں شائع ہوئی تھی (صبح امید) ہے جس میں اُنھوں نے مسلمانوں کی غفلت اور سید صاحب کی برکت سے اُن کے بیدار ہونے کو نہایت ہی پرلطف اور موثر الفاظ میں ظاہر کیا ہے۔ اور اسی زمانہ میں علی گڈھ کے ایک طالب علمانہ تھیٹر میں انھوں نے اپنی ایک قومی نظم سنائی تھی۔ اِن چیزوں نے اُنھیں فارسی اور اردو کا ایک مقبول عام شاعر ثابت کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ ایک دقیقہ رس شاعر تھے اور اپنی نظموں کو ایسی نغمہ خیز دھن میں سنایا کرتے تھے کہ پبلک نے بہت پسند کیا اور طلبہ نے اُسے اختیار کرکے قومی نغمہ خوانی کی ایک مقبول عام دھن بناکے سارے ہندوستان میں پھیلا دیا مگر پھر بھی میں کہونگا کہ وہ شاعر نہ تھے اور نہ شاعری کے لئے پیدا ہوئے تھے بلکہ علم کے عالم میں اُن کی شان ایک شاعر کے درجہ سے بہت ہی ارفع و اعلیٰ تھی۔

اب سید صاحب کے توجہ دلانے سے وہ تاریخی تنقید و تحقیق میں مصروف تھے جسکا سب سے پہلا نمونہ مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم پر اُن کا لکچر تھا جسے انھوں نے محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کے دوسرے یا تیسرے اجلاس میں پیش کیا تھا لکچر مسلمانوں کی نظر میں بالکل نئی اور بہت ہی دلچسپ چیز تھا چنانچہ جب اسپر دلگداز میں ریویو ہوا ہے۔ تو کوئی نہ تھا جو اس کے دیکھنے کا مشتاق نہ ہو گیا ہو۔ اسی نوعیت کی اُن کی دوسری کتاب المامون تھی جو علی العموم بہت پسند کی گئی اور اسی کتاب نے پہلے پہل پبلک کو بتایا کہ مولانا شبلی کس قسم کے مصنف ہیں اور یہ کہ وہ آیندہ کیسے ثابت ہونیوالے ہیں۔

اب سید صاحب کی صحبت اور پبلک کی حوصلہ افزائی نے مولانا کو اسی کوچہ میں آگے بڑھانا شروع کیا سیرۃ النعمان لکھی۔ الفاروق لکھی اور تاریخی جستجو کا شوق اس قدر بڑھ گیا تھا کہ کتابوں کی تلاش میں قسطنطنیہ پہنچے اور واپس آکے اپنا سفرنامہ شائع کیا جس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شوق میں وہاں گئے تھے وہ پورا نہ ہوا اور اسی وجہ سے اُن کی یہ تصنیف بھی ایک ناکام تصنیف ہے۔

اس موقعہ پر اُن کے خیالات کے متعلق اس نازک انقلاب کا بیان کر دینا بھی لطف سے خالی نہ ہوگا کہ سر سید دراصل غیر مقلد اور اہل حدیث کے گروہ میں تھے لیکن مسائل کلامی اور انگریزی اثر نے غیر مقلد سے ایک بڑی حد تک انہیں معتزلی بنا دیا تھا۔ سید صاحب کی صحبت کا اثر مولانا شبلی پر نہ ہونا غیر ممکن تھا۔ مگر اہل حدیث کی طرف سے ان کے دل میں جو بھڑک تھی۔ وہ بھی ممکن نہ تھا۔ کہ انہیں نعمانیت اور حنفیت کے دائرے سے باہر نکلنے دیتی۔ لہذا بغیر اس کے کہ غیر مقلدی کا کچھ بھی رنگ چڑھنے پائے وہ بلا واسطہ نعمانی سے معتزلی بننے لگے۔ اور آخر میں اس بات کی کوشش شروع کی۔ کہ خود حنفیت کو اصلی اعتزال ثابت کریں۔ اور بخلاف متاخرین حنفیہ کے جو حنفیت کو اشعری طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے اپنی حنفیت کو اشعریت کا سخت دشمن اور فقہ کے پردہ میں چھپی ہوئی معتزلیت ثابت کرنا چاہا جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا۔ کہ انگریزی طلبہ ان کی باتوں سے خوش ہو ہو کر دینداری و خوش اعتقادی کے دھوکے میں معتزلی ہونے لگے۔ اور موجودہ علمائے حنفیہ سے انکو سخت عناد ہو گیا۔

اب ان کے ساتھ ہی ان میں ایک دوسرا تغیر شروع ہوا۔ ان میں باوجود انتہا درجہ کے اخلاق کے خودداری کا خیال بہت بڑھا ہوا تھا۔ سید صاحب کی صحبت علی گڑھ کالج کی مرجعیت اور ان کی ذاتی قابلیت نے انہیں ابتداءً اس حیثیت سے پبلک میں انٹرڈیوس (متعارف) کرایا۔ کہ سید صاحب کے گروہ کے ایک نامور بزرگ اور انکی فوج کے ایک نامی پہلوان ہیں خصوصاً جب وہ سید کے ہمراہ رکاب حیدرآباد گئے۔ تو مسلمانوں میں اس خیال کو اور پختگی ہو گئی۔ مگر خود مولانا شبلی کی خودداری اس حیثیت کو اپنی ان تصنیفوں اور نظموں کو تو وہ مٹا نہ سکتے۔ جن میں خود ہی اپنی اس حیثیت کو آشکارا کر چکے تھے لیکن اب اس بات کو ناقابل برداشت دیکھ کر علی گڑھ کالج سے علحدگی اختیار کر کے ندوۃ العلماء میں شرکت کی اور سمجھے کہ اس ذریعہ سے میں علماء کا سرتاج اور شیخ الکل بن کے اس درجہ پر پہنچ جاؤنگا جو سید صاحب کے درجے سے بھی بافوق ہے میں نے بارہا ان کو اس خیال سے روکا اور اسی زمانہ میں کہدیا تھا۔ کہ علماء بس میں آنیوالے

نہیں ہیں۔ ان مرحومین امت میں سے ہر ایک پریسیڈنٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور جس زمانہ میں فقط پریسیڈنٹ ہی پریسیڈنٹ ہوں۔ اس پر آیہ کریمہ لو کان فیھما الٰھۃ الا للفسدتا پوری پوری صادق آتی ہے۔ ان کے بہت سے دوستوں نے بھی روکا اور کہا۔ کہ آپ کی ترقی کا میدان علی گڈھ کالج ہی ہے۔ مگر انھوں نے نہ مانا اور نتیجہ یہ ہوا کہ گو انھوں نے ندوہ کو بیحد فائدہ پہنچایا اور ندوہ کو ندوہ بنا دیا۔ مگر آخر میں ندوے والے مرحومین امت ہی کے ہاتھ سے مار کھا گئے۔ جس کا ان کے دوستوں کو بیحد ملال ہوا۔ اور وہ خود بھی اپنی اس محنت کے اکارت جانے پر کف افسوس ملتے ہوئے مرے۔

دوسری طرف علی گڈھ پارٹی سے علیحدہ ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نئے تعلیم یافتہ گروہ میں سے بہت سے قابل لوگ ان کے خلاف ہو گئے۔ جو ظاہر میں تو ان سے موافق تھے مگر موقع پاتے ہی ان پر اعتراض کر جاتے ادھر مولانا کے دل میں کچھ ایسی ضد پیدا ہو گئی۔ کہ سید صاحب کا جو درجہ ان کے قدر شناسوں کے دل میں تھا اس سے انہیں گرانا چاہتے۔ اور بعض صحبتوں میں ایسی باتیں کہہ جاتے جو لوگوں کو اور زیادہ ناگوار گزرتیں ندوہ کا انتظام ہاتھ میں لینے کے زمانہ میں ان کی یہ حالت تھی۔ کہ کالج میں اور مسلمانوں کے ساتھ سید صاحب کا جو طرز عمل دیکھ چکے تھے۔ اس کو اپنا دستور العمل قرار دے لیا تھا۔ اور ساتھ ہی سید صاحب سے اپنی علیحدگی اور برات ثابت کرنے کی کوشش کرتے مگر در اصل یہ وہ باتیں تھیں جو ان سے کبھی بنائے نہ بنیں۔

اسی دوران میں انھوں نے اور کئی کتابیں لکھیں۔ ان کی سب سے زیادہ مقبول کتاب "الفاروق" علی گڈھ میں شائع ہو چکی تھی۔ اسکے بعد علم الکلام۔ الکلام۔ سوانح مولٰنا روم، الغزالی۔ اور رنگ زیب پر ایک نظر لکھی۔ شاعرانہ مذاق میں تاریخی جستجو کے امتزاج نے ان سے موازنہ انیس و دبیر اور شعر العجم کو تصنیف کرایا۔ مگر سب سے اہم تصنیف سیرۃ النبی صلعم ہے جس کو ناتمام چھوڑ کے دنیا سے گئے ہیں۔ ان کی وصیت کے موافق مولٰنا حمید الدین صاحب اور مولوی سلیمان صاحب ندوی نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا ہے اور علیا حضرت بیگم صاحبہ بھوپال نے آخر تک مربی گری کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ کوشش ہو رہی

ہے۔ کہ یہ کام بہت جلد پورا ہو۔ اور ہمیں امید ہے۔ کہ یہ مولانا کی اعلیٰ ترین اور مفید ترین تصنیف ثابت ہو گی۔

مولانا کا اہم کام الندوہ تھا۔ جس نے مسلمانوں کے لئے بہت سا محققانہ تاریخی سامان فراہم کر دیا اور اس کے سلسلہ میں مولانا نے بڑے اہم مسائل میں تحقیق و تدقیق سے کام لیا ہے۔ اسی رسالہ الندوہ میں سے اعلیٰ مضامین جمع کر کے مقالات[1] شبلی تیار کی گئی ہے۔

قیام قسطنطنیہ کے زمانہ میں انہیں عثمان پاشا مرحوم کی سفارش سے سلطان المعظم نے تمغہ مجدیہ عطا کیا۔ اور گورنمنٹ سے ان کو شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا۔

مولانا شبلی ان لوگوں میں تھے جو دنیا میں اپنی جگہ خالی چھوڑ گئے۔ اور ان کا کمال ان ہی کے ساتھ گیا۔ تاریخ اسلام میں جلب روایت اور تحقیق و تنقید کی جو شان انہوں نے دکھائی ساری دنیا کے موجودہ علمائے اسلام میں سے کوئی نہ دکھا سکا۔

یادِ شبلی رح

(از خان صاحب مولوی سید احمد صاحب مرحوم مولف فرہنگ آصفیہ)

”ہائے“، تم کہاں تھے؟ اور کہاں چلے گئے؟ اسلامی تاریخ کے متجر علم ادب کے دریائے بیکراں کو کس پر چھوڑا حقیقی شمس العلماء بنکر لٹریچری خدمات کے بڑے بڑے جگمگاتے ہوئے ستارے تصانیف کی صورت میں آپ نے چمکائے۔ مسلمان دنیا پادشاہوں اور خلفائے راشدین پر جو حاسدوں کے اعتراض تھے انہیں کس خوبصورتی سے اوٹھایا۔ اور ایسے ڈھنگ سے مٹایا کہ باید و شاید۔ عالمگیر بادشاہ کے دامن پاک سے ظلم تعصب کا داغ آپ نے دھویا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا بدنما دھبہ لگنے سے آپ نے بال بال بچایا۔ فارسی زبان کے دھنی تھے۔ اور عربی کے کامل ادیب ندوۃ العلماء کو بارآور بنایا خزاں رسیدہ شجر کو بیت جھڑ سے آپ نے محفوظ رکھا۔ از سر نو پروان چڑھایا گو بے اتفاقی نے اس پر پتھر برسائے۔ خود غرضانہ روڑوں کی بوچھاڑ کی جس کے سبب آپ

[1] مقالات شبلی کی قیمت بجائے ۱۲ کے صرف ۱۲؍ کر دی ہے۔ قومی پریس دہلی سے طلب کریں ۱۲۔

لیکن افسوس کہ ندوۃ العلماء کے جھگڑوں نے اِس کام کے کرنے کی مہلت نہ دی ندوہ بھی تمھارے دم سے تھا۔ تمھارے ہاتھ اٹھانے سے وہ ندوہ بھی اب نہ رہا اگر ہے تو نام کا ندوہ ہے۔

"شبلی" آپ نے پا بر کاب ہمعصروں کا بھی ساتھ نہ دیا۔ حالی مدظلہ العالی کو کس حال میں چھوڑ چلے۔ ہم جیسے مصنفہ گوشت اپنے مداحوں کو ساتھ نہ لیں گے جو خدا سے لو لگائے دنیا سے ہاتھ اٹھائے چلنے کو تیار بیٹھے ہیں۔

"ہائے شبلی" تم اکیلے گئے۔ اعمال نیک کے سوا کوئی بھی تمھارے ساتھ نہ گیا۔ میں خود چلنے کو بیٹھا ہوں بستراہستر اہوگیا ہوں۔ اعصابی امراض دماغ کی کمزوری دل کی ناتوانی حافظہ کی بے مروتی۔ قلب کی رقت نے بھاڑے کا ٹٹو بنا رکھا ہے۔ کفن کاٹھی کی نوبت پہنچا دی ہے۔ کوئی دم میں تمھارے پاس پہنچنے والا ہوں۔

اے آیندہ نسلوں کو قدیمی اخلاق۔ قدیمی جوہر تعلیمی اور اخلاقی ترقی سے برقرار رکھنے والو۔ دیکھو ہونہاروں کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ جہاں سے جواہرات کے ٹکڑے ملیں تو اٹھا لو۔ ان کی غور و پرداخت کرو۔ چھاتی سے لگا کر رکھو۔ گو زمانہ انھیں نیست و نابود اور ملیا میٹ کرنے کے درپے رہے مگر تم ان کے بچانے میں سرمو تساہل نہ کرو۔ اس ترکیب سے ہمیشہ شبلی اور حالی اور سرسید اور نذیر احمد وغیرہ کے ہم خیال رہیں گے اور تمھاری قوم کا نام بنا رہیگا۔

مصنف کو ہمیشہ دس باتوں کی ضرورت رہا کرتی ہے۔ اول اطمینان خاطر دوم حصول امن سوم اسٹیشنری یعنی موجودگی سامان چہارم معیشت سے فارغ البالی پنجم پیش خدمت یعنی خدام جو بجائے عضو کام دیتے ہیں ششم گوشہ تنہائی ہفتم تفریح قلب ہشتم بیفکری۔ نہم اس کے کام اور دماغ سوزی کی داد۔ دہم ذخیرہ کتب۔ یہیں مولانا شبلی کو دولت آصفیہ کی بدولت یہ ساری باتیں حاصل تھیں۔ وہ جو کچھ کرتے تھوڑا تھا۔ لیکن زمانہ کے حسد نے اسپر بھی چین نہ لینے دیا۔ مگر واہ رے شبلی ایسی حالت میں بھی ذاتی جوہر دکھائے بغیر دنیا سے قدم نہ اٹھایا۔

رہنما سامنے ہے نقش قدم شبلی کا

آج ہر سمت ہے عالم میں الم شبلی کا — رنج شبلی کا قلق شبلی کا غم شبلی کا

اب زمانے میں نہیں کوئی مورخ ایسا — مغتنم تھا بخدا قوم میں دم شبلی کا

پاشکستہ تھا مگر علم کے ہر میدان میں — آگے بڑھنے سے نہ رکتا تھا قدم شبلی کا

تا دم مرگ تصانیف میں مصروف رہا — نہ چھٹا ہاتھ سے شبلی کے قلم شبلی کا

خبر مرگ سے دل ہو گیا ٹکڑے ٹکڑے — بے طرح آ کے پھٹا قوم میں بم شبلی کا

داغ فرقت نہ مٹائے سے مٹے گا ہرگز — کشور دل میں چلے گا یہ درم شبلی کا

قوم کو علم کی دولت سے کیا مالا مال — اٹھ گیا تھا جو ذرا دست کرم شبلی کا

جھک کے چلتا تھا تواضع کے سبب سے کل تک — دم کے ساتھ آج گیا آہ وہ خم شبلی کا

اسکے اک کاغذ تاریخ میں ہیں لاکھوں جام — سامنا کر نہیں سکتا کبھی جسم شبلی کا

ذکر تاریخ میں اس کا یہ ہے تاریخ نویس — جم میں بڑھ چڑھ کے ہے اجلال و حشم شبلی کا

رتبہ کس طرح سے اعظم نہ ہوا اعظم گڑھ میں — جب ہوا خوبی قسمت سے جنم شبلی کا

اس کی تصنیف کا بیٹھا ہے جہاں میں سکہ — مدح گستر ہے عرب اور عجم شبلی کا

آجتک گذرے ہیں دنیا میں مورخ جتنے — مرتبہ ان میں کسی سے نہیں کم شبلی کا

نظر آتا نہیں تاریخ کا مرد میدان — کون پورا کرے اب کار اہم شبلی کا

قوم میں کوئی نہیں اس کا اٹھانیوالا — رہ گیا بس یوں ہی قرطاس و قلم شبلی کا

قوم میں اہل کوئی ہو تو بتا دو ہمکو — کس کو تفویض کریں طبل و علم شبلی کا

کارناموں کی نہ کیا اسکے کریں گے تقلید — مرثیہ پڑھ کے چلے جائیں گے ہم شبلی کا

کہتی ہے ہمت مرداں کہ چلو اور بڑھو
رہنما سامنے ہے نقش قدم شبلی کا

مولانا شبلی کے عقائد

حضرت مولانا شبلی صاحب۔ السلام علیکم مجھے آپ سے چند سوال پوچھنے ہیں اجازت ہو تو عرض کروں (۱) میں نے سنا ہے کہ آپنے اپنی تصنیف الکلام میں مادہ عالم غیر مخلوق لکھا ہے۔ کیا آپ کا یہ اعتقاد صحیح ہے۔ اور آپنے تصنیف مذکور میں یہ مسئلہ اپنے مذہب کا لکھا ہے کیا؟ (۲) کیا آپکا یہ عقیدہ ہے کہ آپ نبوت کو اکتسابی سمجھتے ہیں یعنی کیا آپ یہ مانتے ہیں کہ ہر ایک آدمی اکتساب اور محنت سے نبی ہو سکتا ہے یا اسکی اصلیت کچھ اور ہے (۳) اسکے علاوہ اور بھی کوئی خیال آپنے ایسا ظاہر کیا ہے جسکی شہادت قرآن مجید اور صحیح احادیث سے نہ مل سکے آپ جو کچھ جواب دینگے اسے میں پبلک میں شائع کروں گا۔

عاجز سید عبدالسلام مالک مطبع فاروقی دہلی۔ ۴ر جمادی الاخری ۱۳۳۲ھ

الجواب

جناب میر صاحب۔ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ۔ جس کا یہ عقیدہ ہو کہ مادہ قدیم ہے۔ اور خدا کا مخلوق نہیں ہے۔ وہ ملحد اور زندیق ہے۔ میں مادہ کو نہ قدیم بالذات تسلیم کرتا ہوں نہ قدیم بالزمان، البتہ میں یہ مانتا ہوں کہ خدا کے تمام اوصاف قدیم ہیں الکلام میں اگر اس قسم کے اقوال مذکور ہیں تو وہ غیر مذہب والوں کے عقائد ہیں۔ اور اس غرض سے نقل کئے ہیں کہ ان کا رد کیا جائے (نبوت) کے متعلق میرا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے کہ وہ اکتسابی ہے اور ہر شخص نبی ہو سکتا ہے میں نبوت کو عطیہ الٰہی سمجھتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الانبیاء یقین کرتا ہوں۔ اور جو شخص اس بات کا قائل ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی کوئی نبی ہو سکتا ہے اسکو مسلمان نہیں جانتا۔ باقی میرے عقائد وہی ہیں جو قرآن شریف اور احادیث سے ثابت ہیں میں عقیدۃً اور فقہاً دونوں لحاظ سے اہل سنت وجماعت ہوں۔

(شبلی نعمانی)

نام کتاب	قیمت
الفاروق یعنی سوانح عمری حضرت فاروق مولفہ شمس العلما مولوی شبلی نعمانی مرحوم	سے
الغزالی یعنی امام محمد بن محمد الغزالی کی مفصل سوانحعمری مولفہ مولانا شبلی مرحوم	عہ
مقالات شبلی جسمیں مولانا شبلی نعمانی مرحوم کے وہ علمی اور تاریخی مضامین لکھے ہیں جو آجتک طبع نہیں ہوئے۔	عہر
سوانح عمری مولانا روم مولفہ شمس العلما مولانا شبلی مرحوم جس میں مولانا کی مفصل سوانح عمری کے مثنوی شریف اور دیگر تصنیفات پر نہایت تفصیل سے تقریظ اور تبصرہ لکھا گیا ہے کتاب قابل دید ہے۔	عہر
مثنوی نشتر غم یعنی سید حسن شاہ اور خانم جان کا وہ درد انگیز اور سچا قصہ جو نشتر ناول سے لیکر گلزار نسیم کی بحر میں نہایت ہی معنی خیز اختصار کے پیرایہ میں طرز جدید پر نظم کیا گیا ہے قیمت فی جلد	۱۰ر
تخدرات مشاہیر عالم مولفہ مولانا عبد الحلیم شرر جس میں حسب ذیل سوانح درج ہیں سمی مس ملکہ بابل، ہند بنت نعمان لیلائے اخیلیہ شہدہ کاتبہ زلیخا ملکہ مصر ملکہ سجاح ام سلمہ زوجہ سفاح قطر الندی بلقیس الفا علیہ بنت مہدی خدیجہ بنت القیم	

نام کتاب	قیمت
ملکہ امیر کنہر این بید خاتون ام ہانی مریم۔ قلوپٹرا میڈم ڈی اسٹائل رابعہ بصریہ رابعہ شامیہ فاطمہ فقیہ ملکہ زباام ابان فاطمہ نیشاپوریہ ملکہ زنوبیہ نوار زوجہ فرزدق ملیتا مصنفہ زبدہ	عہر
جلد دوم جس میں حسب ذیل سوانح درج ہیں۔ ویدوں ملکہ سوزیر تھال۔ ایڈلین۔ رافیل آریہ۔ روابان فلیون عاتکہ بنت معاویہ تنکا ربائی خاتون ارشد امیہ فریدہ عفرا عائشہ بنت طلحہ بائی، بے شیا خر فادیا بنت الفریق السلمی جیفیاف ظریفہ بنت صفوان ام حکیم بنت آقارظ۔	عہر
تذکرہ مشاہیر عالم جلد اول مولفہ عبد الحلیم شرر لکھنوی مورخ جس میں حسب ذیل سوانح درج ہیں خلیفہ ناصر الدین، اللہ زبیر ابن عوام، عبد اللہ ابن زبیر ابن بطوطہ بقراط یانی جالینوس سائدین اعزالدین حسین حاتم طائی۔ والصی۔ جبلہ بن ایہم محمد بن تومرت المہدی المغربی۔ ابو عثمان سعید بن مسجح سباتالی۔	عہر
جلد دوم جسمیں حسب ذیل سوانح درج ہیں۔ ابو الاسود دولی احمد بن طوطان ابو الضحاک عمرو بن سعدی زبیدی نابغہ زبیانی اسکندر اعظم	

نام کتاب	قیمت
سمون لیت قرا قر شلمغانی الحکیم المستنفر محمد عبداللہ المرتیر منذر بن مغیرہ حجاج دمشقی مہوس، مسجد ایا صوفیہ، مسجد اقصیٰ صلیبی جہاد، دمشق کی جامع	عہ
خلافت۔ عمرو بن سعید بانی خلافت بنی امیہ، ابو مسلم خراسانی بانی خلافت عباسیہ مصنفہ مولانا عبدالحلیم صاحب شرران دونوں خلافتوں کے بانیوں کے پورے حالات اور ان کے انجام	۴/
سوانح ابو جعفر المنصور، ابو دلامہ محمد علی پاشا ان تینوں کی پوری سوانح اور حالات	۵/
اقوام کرد۔ مولفہ عبدالحلیم صاحب شرر اس قوم کی پوری لائف اور انکی خانگی معاشرت اور سلطنت عثمانیہ کے ساتھ انکے تعلقات اور ان کی بہادری اور اسکے ساتھ ترکان آل عثمان کے حالات بھی درج ہیں۔	۶/
گاڑھے خاں کی سرگذشت یہ کتاب اپنے حالات میں بالکل نئی ہے جنکو زبان دانی کا شوق ہے وہ اس کتاب کو ضرور خریدیں اول سے آخر تک تلازموں سے لبریز ہے قیمت	۸/
بزم آخر۔ بہادر شاہ اور اکبر شاہ کی طرز معاشرت اور سوانح اجڑنے والے دلی شہر کی آخری بہار جس نے دیکھی اسکے کلیجے پر بس سانپ لوٹتا ہے مسلمانوں	

نام کتاب	قیمت
اور مغل امپائر کا چراغ جس آنکھ نے آخری وقت جھلملاتے دیکھا ہو اور اسکا گل ہونا بھی نظر سے گذرا ہو وہی اصلی رنج والم سے بے اختیاری دو آنسو بہا سکتا ہے۔	عہ/
ازواج النبی جس میں جناب سرور کائنات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے پورے حالات۔ اور سوانح درج ہیں آنحضرت کے متعدد نکاحوں پر عیسائی اور دیگر معاندین اسلام اعتراض کیا کرتے ہیں اس کتاب میں ان اعتراضوں کا قطعی جواب دیا گیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ آپ پر نکاح کسی خاص ضرورت و مصلحت پر مبنی تھا۔ اور ان نکاحوں کی غرض خدا ترسی یکجہتی و ترقی اسلام تھی نہ (معاذاللہ) نفسانی خواہش بہرحال یہ نہایت ضروری کتاب ہے جسے ہر مسلمان کے زنان خانے میں ضرور رہنا چاہیے	۸/
علم مجلسی" یہ کتاب آپکو ادیب گویا حاضر جواب۔ ہر معرکہ و میدان، ہر محفل کی زینت ہر جلسہ کی رونق آپکی تقریر کو دلپذیر تحریر کو پر تاثیر اور ادائے مطلب کو دلچسپ "علم مجلسی" اپنی قسم کی سب سے پہلی کتاب ہے	عہ/

(سید ظہور الحسن - قومی پریس چھتہ لال میاں دہلی)

Shiblī Nu'mānī, Muḥammad
Majmū'ah-i naẓm-i Shiblī

PK
2199
S5M3